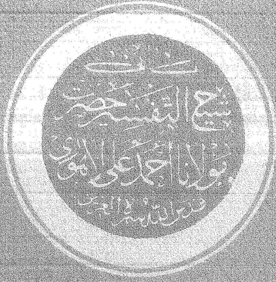




بادشاہ باتمیز ہو تو ...

علم پڑھ کر عمل ترک کرنے والو!

تم شعر کو عبادت، فصاحت اور بلاغت سے مزین کرتے ہو حالانکہ علم پر عمل اور اخلاص ندارد! اگر دل مہذّب ہو تو اعضاء بھی مہذّب ہو جائیں کیونکہ دل اعضاء کا بادشاہ ہے۔ بادشاہ باتمیز ہو تو رعیّت بھی باتمیز ہوتی ہے۔ علم صرف چھلکا اور عمل مغز ہے چھلکے کی حفاظت مغز کی حفاظت کے لیے ہے۔ علم گیا۔ کیونکہ اس پر عمل کا نہ ہونا علم کا جانا ہے۔ عمل کے بغیر علم کا درس اور حفاظت کیا نفع دے گی۔ علم والے! اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو علم پر عمل کر۔ اور لوگوں کو سکھا۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

احادیث الرسول ﷺ

عن سلمان الفارسیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر۔

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو صرف دعا ٹال سکتی ہے اور عمر کو صرف نیکی بڑھا سکتی ہے۔

تشریح

انسان کے سینہ میں دل ہے جس میں ہزاروں خواہشات اور تمنائیں مستور اور گردش کرتی رہتی ہیں درحقیقت یہ دو اہم ترین ہوتی ہیں ایک یہ کہ انسان ہر وقت آفات و بلیات سے محفوظ رہے اور دوسرا یہ کہ زندگی دراز ہو۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے الگ الگ دو نسخے بتائے ہیں۔ پہلی خواہش کے لیے دعا بتائی ہے۔ یعنی اگر اللہ رب العزت کسی بندے پر مصیبت آنے کا فیصلہ صادر فرما دیں اور بندہ بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے یہ مصیبت ٹال دینے کی درخواست کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ مصیبت ٹال دیتے ہیں اور اپنا فیصلہ واپس لے لیتے ہیں — مگر تقدیر دو قسم کی ہے۔ مبرم اور معلق۔ دعا سے تقدیر معلق ٹلتی ہے نہ کہ مبرم۔ اور دوسری خواہش کے لیے نیک اعمال کی ترغیب دی ہے۔ بعض نیک اعمال کرنے سے انسان کی زندگی میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔ اس جملہ میں بہت سی توجیہات بیان کی گئی ہیں زیادہ احسن توجیہ یہ ہے کہ انسان جتنا زیادہ نیک ہوگا اور عمر اس کی اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو وہ ایسے ایسے کارہائے خیر انجام دے گا کہ عام انسان ایسا نہیں کر سکتے اور اس کے مرنے کے بعد بھی تا قیامت ان کارناموں کا ثواب ملتا رہے گا۔

ملفوظات صحابہ کرامؓ

مرسلہ: رستم علی ناصر لاہور

○ سیدنا صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں:

اللہ کے بندو! آپس میں قطع تعلق نہ کرو، بغض نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔

○ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:—

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک یہ دونوں چیزیں تم میں رہیں گی اس وقت تک بھلائی رہے گی۔

۱۔ فیصلہ میں انصاف

۲۔ تقسیم میں انصاف



۲۵ مئی ۷۹ء ÷ ۲۸ جمادی الثانی ۹۹ھ
جلد ۲۴ ÷ شمارہ ۴۷

قرآنی تعلیم
اور
ہماری ذمہ داریاں

گذشتہ دنوں لاہور میں تعلیم القرآن سوسائٹی کے سرپرست مولانا عبیداللہ انور اور صدر قاری سیّد محمد ظریف نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا جس میں انہوں نے سوسائٹی کی کارکردگی سے اخباری نمائندوں کو مطلع کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر پر اظہار افسوس بھی کیا کہ ہمارے ملک میں قرآنی تعلیم کا مؤثر و معقول انتظام نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اکثر آبادی ناخواندگی کا شکار ہے —— ہماری سوچی سمجھی رائے جس کا ہم نے بارہا مرتبہ اظہار کیا، یہ ہے مسلمانوں کی ترقی و استحکام کا راز قرآنی علوم کو سیکھنے اور اور ان پر عمل پیرا ہونے میں ہے پھر جبکہ پاکستان قائم ہی اس مقصد کی خاطر ہُوا ہو تو اس فرض سے پہلوتہی افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سے اب تک ہمارا نظام تعلیم دو عملی کا شکار ہے جس میں ایک طرف قدیم مدارس کا سلسلہ ہے تو دوسری طرف جدید تعلیم گاہوں کا! ہمارے جدید تعلیمی ادارے جن پر ہمارے قومی بجٹ کا بڑا حصہ خرچ ہوتا ہے بدقسمتی سے آج تک کوئی مثالی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکے۔ اپنی روایات و اقدار کی تعلیم و تربیت کا ان میں جتنا کچھ انتظام ہے اس سے ہر باشعور شہری واقف ہے کسی کلاس میں چند منٹ کے لیے چند آیات یا سورتوں کا پڑھا دینا اور وہ بھی اس انداز میں کہ

اس شمارے میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ

مدیر منتظم: میاں محمد اجمل قادری
مدیر: محمد سعید الرحمٰن علوی
مدیر معاون: صالح محمد حضروی

سالانہ ۶۰/۰۰ روپے، ششماہی ۳۰/۰۰ روپے
سہ ماہی ۱۵/۰۰ روپے - فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

قرآن کریم کے آداب تک کا لحاظ نہ ہو کسی مسئلہ کا حل نہیں! رونا تو یہ ہے کہ جن جدید علوم کی خاطر بڑا شور مچایا جاتا ہے ان میں بھی نتیجہ صفر کے برابر ہے۔

رہ گئے دینی مدارس تو ان میں معاشرے کے کتنے فیصد لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ بہت زیادہ تعداد ہوگی تو ہزار میں ۲ یا ۳۔ اور یہاں بھی علوم عالیہ سے زیادہ علوم آلیہ کی طرف توجہ دی جاتی ہے نتیجہ واضح ہے کہ آج اچھے قسم کے مدرس، مفتی، خطیب اور مبلغ کا حصول ایک مسئلہ بن گیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ نظامِ تعلیم ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا جائے اور اس میں کارفرما دو عملی کو ختم کیا جائے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی گھر گھر پہنچانے کے لیے اپنے تمامتر وسائل داؤ پر لگا دیے جائیں کہ یہی ہمارا اصل سرمایہ ہے۔ تعلیم القرآن سوسائٹی جیسے ادارے اس لحاظ سے قابل تبریک ہیں کہ وہ وسائل سے تہی دامن ہونے کے باوجود کوشاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور پوری ملت کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشے۔

علوی ۲۵ جمادی الثانی ۹۹

نوائے وقت کے کارکنوں کا مسئلہ

ملک کے معروف اخبار نوائے وقت ورکرز یونین رجسٹرڈ کی طرف سے ایک پوسٹر ہمیں موصول ہوا ہے جس کا عنوان ہے "ادارہ نوائے وقت یا غنڈوں کا کیمپ" پوسٹر میں ورکرز یونین کی طرف سے مالکان کے خلاف سنگین نوعیت کے الزام لگائے گئے ہیں جن میں داڑھی جیسے شعائر اسلام کی توہین و تضحیک کے سنگین الزام کے ساتھ ساتھ دوسرے ان گنت الزام شامل ہیں۔ نوائے وقت لاہور کے علاوہ پنڈی اور ملتان سے بیک وقت شائع ہونے والا بقولِ خود "پاکستان کا سب سے زیادہ چھپنے والا" اخبار ہے جس کے اداراتی کالموں کی پیشانی کا جھومر پیغمبر اسلام علیہ السلام کی یہ حدیث ہوتی ہے کہ "بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے" اس کے ساتھ ہی نوائے وقت کو دعویٰ ہے کہ اس نے ہمیشہ اعلیٰ مقاصد کی خاطر اپنی آواز بلند کی۔ اور بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی۔ اپوزیشن کے حلقوں میں نوائے وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ نوائے وقت مسلم لیگی نظریہ سیاست سے اختلاف رکھنے والے عمائدینِ ملّت جن میں ایسے باخدا لوگ بھی شامل ہیں جن کے تقویٰ و تدین کی قسم کھائی جا سکتی ہے کو ہر حال میں لتاڑنا اپنا فرض سمجھتا ہے جس کے بُرے اثرات اکثر و بیشتر سامنے آتے رہتے ہیں اس کے علاوہ یہ امر واقعہ ہے کہ ادارہ میں اب تک ورکرز یونین کا وجود نہ تھا شُعرہ میں یونین معرضِ وجود میں آئی تو مالکان نے کارکنوں کے بقول روایتی ہتھکنڈے اپنانے شروع کر دیئے جس کی افسوسناک تفصیل پوسٹر کے ذریعے سامنے آئی ہے۔

ہم حکومت سے یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اس معاملہ کی اعلیٰ سطح پر انکوائری کرائے اور جو فریق مجرم ہو اسے عبرت ناک سزا دی جائے۔

★

خطبہ جمعہ

مرتب، ڈاکٹر مناظر حسین نظر

اسلامی معاشرت

کے آئینہ میں جھانک کر دیکھئے اور بتائیے کہ ہمارا

اسلام سے، اسلامی تعلیمات سے اور اسلامی معاشرت سے کیا اور کتنا تعلق ہے ؟

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

الحمد للہ و کفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ اما بعد : فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم : بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم :-

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ○ ...... تا ...... وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ○ (پ۵ س النساء آیت ۳۶ تا ۳۸)

ترجمہ : اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ اترانے والے بڑائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں اور اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں — اور ہم نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے ہیں خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا شیطان ساتھی ہُوا تو وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔

حاشیہ شیخ الہندؒ :- یعنی عبادت اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو۔ فخر اور ریاء سے مال دینا یہ بھی شرک ہے گو کم درجہ کا ہے۔ یتامیٰ نساء اور ورثہ اور زوجین کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجت مندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر ماں باپ کا، پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجت مندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بُعدِ نسبی ہے یا قرب و بُعدِ مکانی۔ صورتِ اولیٰ میں یہ مطلب

ہوگا کہ ہمسایۂ قرابتی کا حق ہمسایۂ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورتِ ثانیہ کا مدعا یہ ہوگا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق ہمسایۂ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے ہیں رفیقِ سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دو نوکر اور ایک استاد دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر ہیں مہمان غیر مہمان دونوں آگئے اور مال مملوک غلام۔ اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جس کے مزاج میں تکبّر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے۔ اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔ اللہ تعالےٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبّر کرنے والوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علمِ خداداد کو لوگوں سے چھپاتے۔ کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ: یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جو توریت میں مذکور تھے۔ اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

خود پسند متکبّر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے میں خرچ کرتے ہیں یعنی اللہ کے لیے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیلِ ثوابِ اُخروی ان کا مقصود ہو اور اللہ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ ان حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا بخل کرنا بُرا ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا بُرا ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو ان کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے۔

دین کا خلاصہ

حاصل یہ ہے کہ ہر ایک کا حق اس کے درجہ کے مطابق اور حاجت کے مناسب ادا کیا جائے اور یہی دین کا خلاصہ ہے۔ حضرت اقدس قطب العالم شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے دین کا خلاصہ اور نچوڑ تین مختلف مقامات پر اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

١۔ اللہ کو عبادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت سے اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی رکھو!

٢۔ سب سے توڑ! رب سے جوڑ! اور

٣۔ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔

پس مذکورہ آیت میں

حقداروں کے حق کا اجمالی خاکہ بیان کیا گیا ہے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ والدین، اقارب اور احباب سے کیا معاملہ رکھنا چاہیے۔

سب سے مقدم حق چونکہ اللہ تعالیٰ کا ہے اس لیے سب سے پہلے یہی حکم دیا گیا ہے واعبدو اللہ ولا تشرکوا بہٖ شیئا۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کی ذات اور صفات میں اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ حضرت مولانا مفتی بشیراحمد صاحب پسروری رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے حضرت اقدس رح کے پہلے چار اور اجلّہ خلفاء میں سے تھے اور بہت بڑے صاحب علم و فضل تھے عبادت کا ترجمہ یہ کیا کرتے تھے کہ اپنی مرضی رہے نہ اور اللہ کی مرضی ہو جائے۔

اعجاز بیان اور حسن ترتیب

اعجاز بیان کی خوبی دیکھیے کہ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ حتیٰ کہ کافروں اور مملوکہ جانوروں تک سے کس خوبصورتی کے ساتھ کی جا رہی ہے اور پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر اور یہی بہار دے رہا ہے اور اعجاز بیان کو نمایاں کر رہا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ "اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمانوں کا حق ان کے اسلام کی وجہ سے زائد ہوگا"۔

قطب الاقطاب حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ اکثر فرمایا کرتے اور اس طرح تجزیہ کرتے تھے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی کی راہ میں شیطان حائل ہوتا ہے اور ادائے حقوق العباد کی راہ میں نفس رکاوٹ بنتا ہے۔

پس فرمانِ الٰہی جاری ہو رہا ہے "عبادت خالص اللہ کی کرو اور عبادت و ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ" ـــــــ اس حکم ربانی کے نتیجے میں جب رضائے ایزدی کو مقصود بناؤ گے تو مجاہدہ اور ریاضت سے لازماً دوچار ہونا پڑے گا اور بالآخر نفس مغلوب ہو جائے گا۔

حقوق العباد

ماں باپ کا حق

خالق کے حقوق کے بعد مخلوق کے حقوق یعنی حقوق العباد آتے ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ ماں باپ کا ہے جو بقائے نسل کے ذمّہ دار ہوتے ہیں اس لیے ان کے سکون و آسائش کا خیال رکھا جائے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ اور مسلمان ہوں تو پھر سونے پر سہاگا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:۔

ترجمہ: "تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہنا۔ ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو دیکھو ان کے سامنے اُف اور ہُوں بھی نہ کرنا، نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے کچھ کہنا بھی ہو تو ادب و تعظیم کے ساتھ عرض کرنا اور ان کے سامنے انتہائی متواضع اور خاکسارانہ حیثیت میں جانا۔ پھر یہی نہیں ان کے لیے برابر دعا بھی کرتے رہنا کہ اے پروردگار! جس

طرح انہوں نے مجھے محبت و شفقت کے ساتھ پرورش کرکے بڑا کیا اسی طرح تو بھی ان پر رحم و کرم کی نظر رکھنا۔

اقربا اور رشتہ داروں کا حق

والدین کے بعد قرابتداروں اور رشتہ داروں کا حق ہے وہ وقتاً فوقتاً انسان کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے حکم ہو رہا ہے۔ "قرابتداروں کے ساتھ سلوک و احسان کرو" اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جو اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کریگا وہ لازماً دوزخی ہے۔ اس لیے صلۂ رحمی مکارمِ اخلاق کی جڑ ہے۔

یتیموں اور مساکین کا حق

اقربا کے بعد یتیموں اور مساکین کا حق ہے یتیم اپنے والدین سے محروم ہونے کے باعث بے بس ہوتا ہے۔ اور مستحق توجہ اور مسکین تنگدستی کے باعث ضرورت مند ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے —— یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یتیم کو مسکین پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یتیم دو طرح سے عاجز ہے ایک تو چھوٹا اور کمسن ہونے کی وجہ سے کسی پر اپنی حاجت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور مسکین صرف ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے یعنی صرف اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے۔

پڑوسیوں کا حق

ارشاد ہے۔ "قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو"

پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حقِ جوار، حقِ قرابت، حقِ اسلام —— دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں حقِ جوار اور حقِ اسلام —— تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حقِ جوار اور وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو —— یاد رکھئے! اسلام کے نزدیک دونوں پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دور والے اور اجنبیت والے بھی —— بعض تفاسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ جارِ ذی القربیٰ سے مسلمان پڑوسی مراد ہے —— اور جارِ الجنب سے یہودی و نصرانی۔ اس کے بعد رفیقِ مجلس سے سلوک کا حکم ہے۔

رفیقِ مجلس کا حق

والصاحب بالجنب۔ یہ ہم مجلسی یا صحبت، قیدِ زمان و مکان سے آزاد ہے۔ رفاقت و مصاحبت خواہ لمبی ہو یا مختصر بہرحال اپنا حق قائم کر جاتی ہے۔ پس ہم سبق، ہم درس و مدرسہ، ہم سفر، کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز یا بس کے ساتھی، شریکِ تجارت، شریکِ صنعت سب کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کا حکم ہے۔

مسافر کا حق

رفیقِ مجلس کے بعد مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے اور اس کے بعد لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کا حکم ہے۔

غلاموں اور باندیوں کا حق

چنانچہ ارشاد ہے۔ جن باندی اور غلاموں اور مویشیوں جانوروں کے تمہارے ہاتھ مالک

ہیں اور وہ تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور احسان کرو۔ باندی غلام کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ اور جانوروں پر اتنا بوجھ نہ لادو اور اتنی مشقت ان سے نہ لو جس کے وہ متحمل نہ ہو سکیں۔ نیز ان کو پوری خوراک حسبِ توفیق و استعداد دی جائے۔

آخر میں حکم ہے کہ جو شخص تکبر کرتا ہو، خود بینی اور نمائش و حبِ جاہ کا اسیر ہو اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتا ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کر سکتا اور حق تعالےٰ سبحانہٗ ایسے شخص کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔

حضراتِ محترم! اسلام نے ہر وہ شخص جس سے انسان کو سابقہ پڑتا ہے اس کے حقوق قائم کر دیے ہیں جن میں سے کچھ بنیادی حقوق بیان کر دیے گئے ہیں۔

اندازہ فرمائیے! کہ کس زور و شور سے قرابت داروں اجنبیوں، پڑوسیوں، یتیموں، محتاجوں رفقائے مجلس اور مسافروں کے ساتھ اخلاق و مروّت کے ساتھ پیش آنے ہی کا نہیں بلکہ ان سے احسان و سلوک کا بلا امتیاز حکم دیا جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر مسلمانوں کی جان و مال آبرو سب حرام ہے۔ مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ نہ کوئی کسی پر ظلم کرے اور نہ اسے رسوا کرے اور نہ حقیر جانے۔ ایک دفعہ تین مرتبہ زور دے کر فرمایا کہ انسان کے بُرے ہونے کے لیے تو صرف اسی قدر اور اتنا ہی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے اور اسے ناچیز سمجھے۔ نیز مسلمان کی عیادت بھی مسلمان پر واجب ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ جب ملیں تو سلام کریں — پھر پڑوسی کے متعلق تو یہاں تک حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا پڑوسی کسی شخص سے ناراض و ناخوش ہے وہ جنّت میں نہ جائے گا۔ اور اس میں مذہب کی بھی کوئی قید نہیں۔

اب ان تعلیمات کو جو مختصر بیان ہوئیں اور جن کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے سامنے رکھیں اور اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھیں کہ ہم کہاں تک اسلامی طور طریق اپنائے ہوئے ہیں اور ہمارا اسلام سے، اسلامی تعلیمات سے کتاب وسنت سے اور اسلامی معاشرت سے کیا اور کتنا تعلق ہے۔ اس آئینہ میں نہ صرف عوام کو بلکہ دینی جماعتوں اور ان کے قائدین کو بھی اپنی صورتیں دیکھنے اور "میک اپ" کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور اپنے آپ کو اسلامی معاشرت کے سانچے میں ڈھالنے کی توفیق دے۔ آمین!

ابلیسی فتنے اور الفرقان

مخدومنا المکرم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ نے جب محرم الحرام ۱۳۵۳ھ میں فتنۂ رضاخانیت کے مرکز دارالتکفیر بریلی سے "الفرقان" جاری کیا تو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، سیدالمتکلمین مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ، شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ اور دیگر اکابرین نے مولانا موصوف کو اپنی ادعیہ سے نوازا اور مبارکباد کے پیغامات ارسال کیے۔ امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ نے شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مولانا نعمانی مدظلہٗ کے نام جو پیغام بریلی ارسال کیا اسے حضرت لاہوریؒ کی نادر اور یادگار تحریر کے طور پر افادۂ عام کے لیے ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمارا یقین ہے کہ "الفرقان" جو بریلی سے شائع ہوا اور آج تک لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے انہی اکابرین کی خصوصی دعاؤں کی برکت سے جاری و ساری ہے، ہم مولانا نعمانی مدظلہٗ کی خدمت میں سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ ع

رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ (حضروی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

خلقت آدمؑ کے وقت ہی شیطان لعین نے نسلِ آدمؑ سے عداوت کا اعلان کر دیا تھا، ساتھ ہی قیامت تک مہلت بھی لے لی تاکہ اپنی مکاری و فریب کاری سے بھولے بھالے انسان کو دامِ تزویر میں پھنسائے، جنت کے راستے سے ہٹائے اور جہنم میں پہنچائے۔ مگر رحمت الٰہی نے انسان کو اس کے شر سے بچانے، راہ راست کی طرف لانے، جنت کا راستہ دکھانے کے لیے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشین علماء کرام کو دنیا میں بھیجا۔ چنانچہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود بھی اسی غرض سے سطح دنیا پر جلوہ افروز ہوا تاکہ بنی آدم کو مکائد شیطانی سے بچائیں اور جہنم سے بچا کر جنت میں لے جائیں۔ خیرالقرون کے گزرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ ایسے حق پرست علماء کرام آپ کی

امت میں پیدا کیے۔ جنہوں نے کتاب و سنت کے منور چہرے کے گرداگرد شرک و بدعت کی مکڑی کے تنے ہوئے جالے کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ انہی مبارک وجودوں کی برکت سے آج اسلام کا منور چہرہ درخشاں نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قسامِ ازل نے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام مجدہم کا وجود مسعود اسی غرض کے لیے تجویز فرمایا ہے کہ موجودہ دور کے دشمنوں سے اسلام کی عزت بچائیں۔ ان فتنوں کی فہرست طویل ہے مگر مولانا ممدوح کفرِ مرزائیت اور الحادِ بدعت کے مقابلہ میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور ان کی تحریر میں ان دو فتنوں کے استیصال کا اتنا زبردست مواد ہوتا ہے کہ جو شخص ان کی تحریر کا مطالعہ کرے انشاءاللہ تعالیٰ وہ اس کفر و الحاد سے یقیناً محفوظ رہے گا۔ انہی فتنوں کے انسداد کے لیے مولانا ممدوح نے "الفرقان" ماہوار جاری کیا ہے میں حضرت مولانا کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں، کہ ان کا الفرقان اسم بامسمیٰ ہے۔ در طالبانِ حق کی خدمت میں پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اسے ضرور پڑھیں۔ تاکہ بدعت و مرزائیت کے ڈاکوؤں سے اپنے متاعِ ایمان کو بچا سکیں۔

والسلام

العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ
مقیم دروازہ شیرانوالہ لاہور

(نوٹ: حضرت قدس سرہٗ کا یہ پیغام الفرقان بابت ماہ رمضان و شوال ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوا)

● ایک تاثر

بیٹی آسیہ لکھتی ہے!

ابا جان! میں نے خدام الدین والی کتاب پڑھی۔ حضرت لاہوریؒ کا مہاجر بیٹا اور مولانا عبیداللہ انور پر مضمون مجھے بے حد پسند آئے اور ساتھ ہی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور دل کی آواز ہونٹوں تک آ گئی۔ اے خداوندا! جیسے حضرت لاہوری نے اپنی اولاد کو اچھی دینی تعلیم و تربیت دی ہے۔ خدایا! تو نے مجھے چار بیٹے دیے ہیں تو ہی انہیں بھی نیکی کے راستے پر چلا، اور ہمیں شوق اور توفیق اور ہمت عطا فرما۔ کہ ہم ان کو دینی اور علمی تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں۔ اے خدا! مال تیرا ہے جھوٹا نام میرا ہے تو ہی ان ان کو زندگی بخش اور انہیں عالم باعمل بنا کر مخلوق خدا کے لیے ہدایت کی نشانی بنا۔ آمین یا اللہ العالمین!

بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے

ماڈل ٹاؤن بلاک اے پلاٹ ۳۸ میں مدرسۃ الفیصل کے نام سے تعمیر کا کام شروع ہے جس پر تقریباً دس لاکھ روپے خرچ ہوں گے اس کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ اور تعمیر کا افتتاح ریاض الخطیب سفیر سعودی عرب نے فرمایا ہے۔ مدرسۃ الفیصل سے فراغت حاصل کرنے والی بچیاں انشاءاللہ العزیز بہترین معلمہ اور مربیہ بن کر اولاد کی صحیح تعلیم اور تربیت کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ اس کارِ خیر میں تعاون کی درخواست ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دفتر جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ لاہور فون ۴۱۱۰۴۴ سے رجوع فرمائیں۔

آیت کریمہ

کا ورد ۳۱ مئی بعد نماز مغرب مجلس ذکر کے بعد ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

کیا موجودہ الیکشن اسلامی چیز ہے؟

ملک کے نامور مفتی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی نے الیکشن کے سلسلہ میں مختلف لوگوں کے سوالات کے جواب میں یہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے ——— ہم اس مقالہ کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے دعوت دیں گے کہ وہ اس مسئلہ پر اپنے رشحات فکر سے ہمیں مطلع کریں۔ انشاء اللہ اس سلسلہ کی ہر سنجیدہ تحریر کو خدام الدین میں جگہ دی جائے گی ——— (ادارہ)

نفاذ اسلام کے اعلان کے بعد فطری طریقے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں الیکشن ہے؟ بہت لوگ زبانی و تحریری سوال کر رہے ہیں ان کی آگاہی کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ خود اس کی حقیقت اور اس کے اثرات پر ذرا غور کر کے دیکھ لیں اور پھر خود ہی فیصلہ کر لیں کہ یہ دینی و دنیوی خطرات کا مجموعہ، اسلام کا جزو یا اسلام کی پسندیدہ شئی کیسے بن سکتا ہے۔ غور کے لئے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں انہی پر قیاس کر کے پوری کیفیت اور اثرات معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) اسلامی قاعدہ ہے کہ حکومت کے طالب کو حکومت نہیں دی جاتی۔ قرآن مجید میں پارہ (۲۰) رکوع (۱۲) میں ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔

ترجمہ:۔ یہ دار الآخرت ہم ان کے لئے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں سربلندی اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔ دنیا کا اعزاز بھی دین کے واسطے ہونا ضروری ہے۔ علو کی فکر یہاں بھی نہ ہو۔ بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

واللہ لا نولی علی ھذا العمل احداً سألہ ولا احداً حرص علیہ

خدا کی قسم ہم اس کام پر کسی ایسے کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرے اور نہ کسی ایسے کو جو اس کا لالچ کرے۔

اور فقہ کا قاعدہ بھی ہے طالب التولیۃ لا یولیٰ (متولی ہونے کا طالب متولی نہیں بنایا جاتا) اور صحیح غور و خوض سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بھی طالب بن رہا ہے ضرور ہے کہ وہ قوم سے اس کا کئی گنا وصول کرنا چاہتا ہے اور سب کی آنکھوں میں دھول ڈال کر وصول کرنا چاہتا ہے۔ سب کو بیوقوف بنا رہا ہے اور لوگ ہیں کہ بیوقوف بن رہے ہیں۔

بتائیے کیا ایسے لوگوں کو ووٹ دینا ملک اور قوم پر ڈاکہ ڈالنا نہیں؟

(۲) دوسری قوموں کو یہ طریقہ راس آتا ہو تو آتا ہو، ورنہ ہماری قوم میں تو گھر گھر باپ بیٹے، بھائی بھائی، ماں بیٹی، بھائی بہن میں فتنہ و فساد کا بیج بوتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کوئی جیتا کوئی ہارا، مگر گھر گھر فساد و دشمنی کا برسوں کے لئے معرکہ بن گیا۔ صلہ رحمی، قرابت و رشتہ داری جس کی اسلام میں بڑی فضیلت ہے۔ عداوتوں، بدلیوں اور بدزبانیوں سے بدل جاتی ہے کیا یہ بھی کوئی ملکی یا قومی خدمت ہے کہ ہر گھر کو آگ لگا دی جائے۔ عزیزوں کو ہمیشہ کے لئے غیر اور دشمن بنا دیا جائے۔

(۳) الیکشن کی تیاری میں ہر شخص اور اس کے حواری دوسرے پر بہتان باندھتے یا غیبت کرتے بلکہ گالیاں تک برساتے ہیں اسلام نے ان سب کاموں کو حرام قرار دیا ہے اس لئے موجودہ الیکشن حرام کاموں کا مجموعہ اور اس کی شرکت حرام کی شرکت ہوتی ہے۔

(۴) ہر گناہ خود گناہ اور مستحق عذابات دنیوی و اخروی ہے۔ پھر علی الاعلان گلی گلی شاہراہوں پر ہزاروں کے مجمعوں، پوسٹروں، پمفلٹوں اور رسالوں سے تشہیر و تحقیر اور گناہ عظیم بنتا ہے۔

(۵) قرآن مجید میں تمسخر، مذاق اڑانا، تحقیر و تذلیل مسلم، برے لقب اور نام رکھنے کو حرام قرار

دیا گیا ہے مگر الیکشن میں ان پر عمل ہی نہیں کیا جاتا، (۹) بلکہ ان کو عمدہ کام سمجھا جاتا ہے حرام کو حلال قرار دینا بلکہ عمدہ سمجھنا کتنا سنگین جرم ہے سب جانتے ہیں۔

(۶) ذرا ووٹ کی حقیقت پر غور کیا جائے غرض مندوں کے اس دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے کہ یہ اپنے حلقہ کا نمائندہ چنتا ہے۔ نمائندہ تو وہ ہو سکتا ہے جس کو آپ خود ساری قوم پر نظر کر کے انتخاب کریں۔ اس پر زور دیں کہ وہ یہ کام کرے نہ یہ کہ وہ خود مدعی بن کر کھڑا ہوتا ہو اور آپ لوگوں کو خوشامد یا لالچ سے ووٹ دینے پر مجبور کرتا ہو کیا اسے نمائندہ کہا جا سکتا ہے نہ یہ کوئی سفارش ہے کہ ہر کس و ناکس سے سفارش نہیں کرا سکتا نہ اس کی بات کی وقعت ممکن ہے۔

(۷) نمائندہ قوم کا چنا ہوا تو ہو سکتا ہے مگر حکومت کی طرف سے درخواست منظور کیا ہوا قوم کا نہیں حکومت کا نمائندہ ہو تو کسی آبادی یا حلقہ کا بھی نمائندہ نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے۔

(۸) ووٹ ایک گواہی ہے جو خود درخواست دہندہ کے اس کام کا اہل ہونے کی شہادت حکومت آپ سے لیتی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ گواہی سچی سچی تو صحیح نیک کام بن سکتی ہے مگر جھوٹی گواہی دینا آخرت کی ذلت کے سوا کچھ نہیں جھوٹ حرام، جھوٹی گواہی بھی حرام ہوگی۔ سنبھل کر چلئے کہیں حرام میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کر لیں۔

(۹) ووٹ سچی گواہی کب ہو سکتی ہے؟ اس پر غور فرمائیے۔ (الف) جب کہ آپ کو وہ تمام کام معلوم ہوں اور ان کے فوائد و نقصانات بھی معلوم ہوں جو کام اس کو کرنے ہیں ایکے نفع ضرر میں سے نفع مند کو اسے اپنانا ہے۔ (ب) آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ ان سب کاموں کے لئے اور ان کے فوائد و خطرات محسوس کرنے کے لئے کس قدر علم، معلومات اور کس قدر تجربہ اور کس قدر امانت و دیانت، خوف خدا، مسلمانوں کی ہمدردی اور انجام بینی کی ضرورت ہے۔ (ج) یہ بھی معلوم ہو کہ جس جس کی درخواست ہے ان میں سے کس کس میں یہ سب باتیں موجود ہیں اور کس میں نہیں۔ (د) ان کاموں کی کوشش کے لئے کس قدر جرأت ہمت، صاف گوئی اور گہری اور انجام پر نظر کی کتنی ضرورت ہے اور سب میں یہ بات کافی موجود ہے یا نہیں۔ (ھ) اور یہ سب باتیں آپ کو اپنی ذاتی تحقیقات سے یقینی طور سے پہلے سے معلوم ہوں۔ وقتی پروپیگنڈہ اور جھوٹی باتوں، غرضمندانہ تقریروں، تحریروں سے پہلے سے سب کا پورا علم ہو (و) اور جس کو ووٹ دینا چاہتے ہیں اس کے متعلق خوب تحقیق ہو کہ یہ ان سب باتوں میں دوسروں سے افضل ہے کیونکہ جس کو دین و دیانت خوف خدا، نیکی و صلاحیت اچھی طرح حاصل نہیں اس سے دھوکہ و نقصان کے خطرات ہوں گے اس پر کسی معاملہ میں اعتبار کرنا حماقت ہے بلکہ خطروں کو دعوت دینا ہے ان شرطوں سے آپ کا ووٹ سچا یعنی آپ کی گواہی سچی ہوگی جھوٹ کے گناہ کی لعنت سے آپ بچ سکیں گے، ملک کی قوم کی کچھ نہ کچھ خدمت کر سکیں گے اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی مثلاً یہ کہ آپ اس کو اور سب کو جانتے ہی نہیں یا آپ ان کاموں کو اور ان کے نفع و نقصان سے واقف نہیں جو اس کو انجام دینے ہیں یا آپ یہ نہیں جانتے کہ ان کاموں کے لئے کتنی قابلیت کی ضرورت ہے، کتنا علم، کتنی خدا ترسی، کتنی قومی بہی خواہی کی ضرورت ہے یا ان سب باتوں کو جان کر یہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں ان سب میں برابر پائی جاتی ہیں یا ایک میں تو ہیں باقی میں نہیں یا یہ کہ سب سے زیادہ کس میں ہیں یا آپ کو ذاتی علم و تحقیق سے کچھ معلوم نہیں، صرف وقتی پروپیگنڈے سے کچھ معلوم ہوا یا کچھ بھی معلوم نہیں ہوا تو پھر کسی شخص کو ووٹ دینا ایک جھوٹی گواہی دینے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جھوٹ کی لعنت کے سوا اور کیا ملے گا آخر یہ لعنت آپ کیوں اپنے سر لیتے ہیں۔ اب سوچئے کہ آپ نے جھوٹی گواہی کے حرام ہونے کا جو جرم کیا ہے اس سے دنیا و آخرت کا خسارہ سر لیا ہے تو آپ سے زیادہ مجرم اور گناہگار کون ہوگا۔ خوب غور کر کے دیکھئے کہ جب آپ کو اپنا کوئی ذاتی فائدہ بھی نہیں تو آپ یہ گناہ کیوں کرنا چاہتے ہیں بلکہ فائدہ بھی ہو تو لعنت کا طوق گردن میں ڈال لینا کونسی عقلمندی ہے۔ ہاں اگر مذکورہ تمام شرطوں کے موافق صحیح تحقیقات اور ذاتی ذرائع سے ایک شخص سب سے افضل ثابت ہوتا ہے تو بے شک آپ اس گناہ عظیم سے تو بچ سکتے ہیں مگر اب اس کے نتائج پر بھی غور کیا جائے۔

(۱۰) ووٹ جو کسی شخص کے اس اہم کام کا اہل ہونے کی گواہی ہے اگر بالکل تحقیق حالات پر سچی گواہی ہوگی تو یہ آپ کی طرف سے اس کے تمام کاموں میں امداد و اعانت ہوگی خواہ ہزاروں، لاکھوں، سو میں حصہ کی ہو مگر اعانت ہوگی اگر اس کا ایک آپ کام بھی بد ہوا تو اس کی بدی کی اعانت ہوگی

اگر ایک کام بھی نیک ہو اُنیکی کی اعانت ہو سکتی
ہے بشرطیکہ نمبر ۱ تا ۸ کی خرابی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا
فرمان ہے۔ تعاونوا علی البرّ و التقویٰ ولا
تعاونوا علی الاثم والعدوان !

(نیکی و تقویٰ پر مدد کرو، گناہ پر مدد نہ کرو۔)

اگر مدت اقتدار میں آپ کے ووٹ دیتے ہوئے شخص نے ایک، دو، چار، سو، ہزار کتنے بھی گناہ یا ظلم کئے تو آپ بھی اس کے ہر ظلم و گناہ میں شریک رہیں گے، اور جب تک وہ برسر اقتدار رہ کر یہ کام کرتا رہے گا آپ بھی شریک گناہ ہیں گے اس کے برعکس اس کے نیک کاموں میں بھی آپ کی شرکت رہے گی مگر نمبر ۱ تا ۸ کی خرابیوں اور ان کی شرکت سے بھی جو کچھ گناہ ہوں گے وہ تو ہر حال میں سر پر رہیں گے۔ اب غور کیجئے کہ ووٹ سے کیا جاتا ہے کیا آتا ہے۔

(۱۱) ووٹ نہ دینا کوئی جرم نہیں، گناہ نہیں، یہ خیال ہو کہ اسلام نے گواہی نہ دینے کو حرام قرار ہے یہ اس وقت ہے جب کسی پر ظلم ہو رہا ہو اور کوئی گواہ سوائے آپ کے نہ ہو اس وقت چونکہ گواہی نہ دینے سے ظلم کی اعانت ہو جاتی ہے، لہٰذا گواہی واجب ہو گی لیکن اگر کم سے کم دو گواہ اور بھی ہیں تو آپ کے لئے گواہی نہ دینے سے ظلم کی امداد نہیں ہوتی پھر واجب نہیں نہ دینا جائز ہے لیکن اگر خود گواہی ہی جھوٹ یا غلط ہو یا گناہ اور ظلم کا ذریعہ بنتی ہو تو پھر تو نہ دینا ہی نیک کام ہے اور دینا گناہ ہے۔

(۱۲) یہ سب باتیں تو ہر ایک الیکشن میں ہوتی ہیں مگر ہمارے ملک کے الیکشن کی خصوصیات تو اس کو حرام ہی حرام قرار دے دیتی ہیں ذرا اس پر بھی گہری نظر کی جائے ہمارا ملک ایک اسلامی ملک ہے مگر اس میں طرح طرح کے کافر، ملحد، بے دین اور زندیق بڑی تعداد میں موجود ہیں اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو لوگ اقلیت میں ہوتے ہیں ان میں تنظیم و اتفاق زیادہ ہو سکتا ہے وہ اکثریت پر جو اختلاف میں ہو اور غیر منظم ہو غلبہ پا سکتے ہیں ایسے حالات میں الیکشن کی خواہش کرنا کفر و الحاد لانے کی کوشش کرنا ہے ایسے عظیم خطرہ کو دعوت دینا ایک انتہائی جرم بنتا ہے جو اپنی موت کو اپنے ہاتھوں سے کھینچ کھینچ کر لاتا ہے کیا کوئی جماعت اس کو مستحسن اقدام تصور کر سکتی ہے۔

(۱۳) اسلامی حکومت اور اسلامی نظام کے مخالف لوگ حکومت کے باغی ہیں۔ باغیوں کے لئے برسر اقتدار آنے کی راہ نکالنا بھی بغاوت ہے کسی طرح کم نہیں ہے اس لئے الیکشن ایسے ماحول میں کرانا اس بغاوت کو سربلند کرنے کی کوشش اور ایک قسم کی خود بغاوت ہے۔ معلوم نہیں قوم کے دانشمند لوگ کیوں اس پر غور نہیں کرتے کیوں یہ بغاوت کرتے ہیں۔

(۱۴) اسلام میں الیکشن بالکل نہیں، نہ عقل صحیح میں جو یورپ سے مرعوب نہ ہو اور اس کی تقلید میں اندھی نہ ہو خطرناک ہونے سے خالی ہو سکتا ہے وامرہم شوریٰ بینہم (ان کا کام باہم مشورہ ہے) وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (صحابہ سے اس کام میں مشورہ لے لیا کرو لیکن جب تم پختہ عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو) مشورے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وہ خود ہی اہل مشورہ یعنی مجلس شوریٰ تجویز فرماتے تھے مشورہ لیتے تھے۔ سب کی رائیں اور دلیلیں سن کر غور فرما کر کسی بات پر پختہ عزم فرماتے تھے پھر اللہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ بس یہ ہے طرز حکومت یعنی شورائیت اسی کو مجازی معنی سے اسلامی جمہوریت بھی کہہ سکتے ہیں اور سارے عالم کے ہوشمندوں نے اس کو اختیار کیا ہے، کیا دنیا نہیں دیکھ رہی ہے۔ ہر مقدمہ میں جج صاحبان طرفین کے بیانات لیتے ہیں۔ ہر دو طرف کے وکیلوں یعنی مشیران قانون و حکم کے دلائل سنتے ہیں اور پھر خود تنہا ان سب پر غور کر کے اللہ کے بھروسے پر فیصلہ کرتے ہیں سارے عالم میں یہی طریقہ کار رائج ہو رہا ہے یہی کامیاب طریقہ شمار کیا گیا ہے اور آج تک کیا جا رہا ہے یہی ادنیٰ مقدمات سے اعلیٰ مقدمات تک ہوتا ہے یہی پارلیمنٹ تک ہونا ضروری ہے یہی شورائیت یا صحیح ترین طریقہ ہے۔ موجودہ طریقہ انگریزوں نے غلط اور قوم و ملک کو درہم برہم کرنے کے لئے رائج کرایا ہے، ذرا سمجھ سے کام لیا جائے۔

(۱۵) موجودہ الیکشنی طریقہ کے لئے دھوکہ دیا جاتا ہے کہ تمہاری اپنی حکومت ہو گی یہ صرف دھوکہ ہے ہر شخص کی حکومت تو ہو نہیں سکتی اگر ہر ایک حاکم ہو تو محکوم و رعایا کون ہو، لامحالہ کسی ایک کی دو کی یا زیادہ جماعت کی یا اکثریت کی حکومت ہو گی تو جیسے جماعت ہم میں سے ہے ہماری حکومت کہلاتی ہے ایک بھی تو ہم میں سے ہے تو کیوں وہ ہماری حکومت نہیں کہلا سکتی کیا چپڑاسی سے لے کر وزیر اعظم تک ایک ایک افسر ہر محکمہ کا نہیں ہوتا کہیں بھی چند کا جرگہ نہیں اور سب اپنے ہی اپنے کہلاتے ہیں اور سب کام بغیر جمہوریت و جرگہ کے انجام پا رہے ہیں اور غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ

اصل ایک ہی ہوتا ہے جو پارٹی اس غلط طریقہ سے غالب آئی اس کا بھی ایک ہی قائد حکومت کرتا ہے۔ دھوکہ دینے کے لئے وہ سب قوم کی حکومت کہلاتی ہے۔ برطانیہ میں اٹیلی یا چرچل جو آگیا اس کی حکومت رہی یہ سب صرف بیوقوف بنانے کی بات ہے ورنہ سب جگہ صرف ایک ہی شخص پر مدار ہوتا ہے آپ لوگ اس دھوکہ میں کیسے آگئے۔ جمہوریت مروجہ تو ان کا کام ہے جو خدائی میں جمہوریت و تثلیث قائم کرکے اپنی حماقت کی رجسٹری کر دیتے ہیں توحید والوں کو اس سے ایسی ہی نفرت ضروری ہے جیسے تثلیث سے ہے بلکہ اس کے ہر احمقانہ کام سے بھی ایسی ہی نفرت لازم ہے۔ جب خدا حیّ و قیوم ایک اور ہر جگہ ہر قوم کے لئے اور آخری سب کیلئے نبی ایک ایک ہی مبعوث ہوئے تو حکومت میں یہ کھچڑی کیوں پکتی ہے، اور مدار کم عقلی یا بے عقلی پر کیسے رکھا جاتا ہے جیسے نمبر ۱۸ میں آرہا ہے۔

(۱۶) موجودہ الیکشنی طریقہ تمام بڑے بڑے فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ چوری، ڈاکہ، قتل، چھین چھان ظلم و تعدی جبر و تشدد کے عام ہونے کا بھی ذمہ دار ہے۔ غور سے سنئے۔ جب کسی کو الیکشن میں کھڑا ہونا اور اس کو ملک کے گوشہ گوشہ سے ووٹ لینا ہیں تو ہر مجرم کی امداد کرنے پر مجبور ہو رہا ہے ورنہ وقت پر یہ ان کے کام نہ آیا تو ووٹ کے وقت وہ کیسے اس کے کام آسکتے ہیں ان گروہوں سے جن کے ووٹ بڑی تعداد میں ہیں ان کی ہر خواہش اور ان کے ہر فرد کو بچانے کی کوشش کرنا اس کا فریضہ بن جاتا ہے خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرم کا مرتکب ہو اسی لئے ان تمام ملکوں میں جہاں الیکشن کا دور دورہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ کسی جرم کا پتہ ہی نہیں لگتا اور لگتا ہے تو وہ بری ہوکر آجاتا ہے۔ ہر پولیس والے کو یقین ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی اور ممبر رئیس اور حاکم اس کو چھڑانے آئے گا تو وہ اس سے رشوت لے کر پہلے ہی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ بعد میں مفت نہ چھوڑنا پڑے اس طرح الیکشن ہر فساد و جرم اور رشوت کا ذریعہ بنا جا رہا ہے سب دیکھ رہے ہیں کہ ووٹوں کی کثرت کے لئے ہر مجرم کی مدد کرنا ضروری ہے تو یہ جرم بھی ضروری ہوا، لہٰذا الیکشن جرائم پروری کا نام ہوا۔

(۱۷) آج کل ووٹ اس کو زیادہ مل سکتے ہیں جس کو اقتدار کافی حاصل ہو اس کا ڈنڈا مضبوط ہو یا جس کا جرگہ جبر و تشدد میں مشہور ہو یا غنڈہ پارٹیوں کا سرغنہ ہو یا ان کو اپنے قابو میں رکھ کر ہر قسم کی امداد دے چکا ہو۔ اسمبلیوں میں بجز شاذ و نادر کے ایسے ہی ممبران ملیں گے ورنہ آپ خود سوچ کر تحقیق کرکے دیکھ لیں کہ کیا ان ممبران میں کوئی ایسی قابلیت و امانت و دیانت ہے جو دوسروں میں نہ ہوگی۔ بہت لوگ آپ کو ان سے کہیں زیادہ قابلیت ہمدردی، خداترسی، دین و دیانت و امانت والے ملیں گے مگر وہ جرگے والے نہیں اور فاضل دولت والے ہیں نہ غنڈوں کے سرپرست نہ ڈنڈے کے ماہر نہ ہر مجرم کے بچانے والے حامی ہیں تو ان کو کوئی درجہ حاصل نہیں ہوتا جو نااہل تھے وہ اہل اور جو اہل تھے وہ نااہل بن کر رہ گئے آپ خیال فرمائیے کہ ایسے الیکشنوں میں حصہ یا ان کی کوشش کرنا کرانا کوئی نیک کام بنتا ہے یا خود کوئی جرم ہے

(۱۸) جمہوریت ہو یا الیکشن اکثریت کا نام ہے خواہ کسی طرح سے استعمال ہو آپ سوچ کر بتائیے کہ اکثریت جاہلوں کی ہے یا علم والوں کی اکثریت شریفوں کی ہے یا غیر شریفوں کی اکثریت بے وقوفوں کی ہے یا عقلمندوں کی اکثریت زیادہ عقل والوں کی ہے یا کم عقل والوں کی اب جو نتیجہ سامنے آئے گا وہ علم و شرافت عقل اور زیادہ عقل کا ہو سکتا ہے یا اس کے برعکس کیا یہ کوئی دانشمندی کی صورت ہے۔ فقط یورپ نے سب کو چکر میں ڈال کر پریشان کر دیا ہے اور کوئی حقیقت پر نظر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔

(۱۹) سوال یہ ہے کہ جمہوریت یا الیکشن کی ضرورت اس لئے ہے اگر سربراہ مملکت ظلم و جبر شدت میں اور سخت بڑے گناہوں میں مبتلا ہو جائے یا وہ قوم و ملک کی تباہی پر تل جائے اور کسی تدبیر سے باز نہ آتا ہو اس سے محفوظ رہنے کی اور کیا صورت ہے سوائے اس کے کہ جمہوریت قائم کی جائے اور اسے معزول کرکے الیکشن کرائے جائیں اور اسے معزول کرکے دوسرا سربراہ لایا جائے۔ اول شخصی واحد ہو تو سبھی حرکتیں کر سکتا ہے۔ بہت لوگ ہوں گے تو سب اس کے ہمراہی نہیں ہوں گے۔ وہ روک سکتے ہیں اگر پھر نہ رک سکے تو الیکشن سے بھی اس سے نجات حاصل کی جائے گی۔ اس بناء پر سب ملکوں نے ڈکٹیٹرشپ کی بجائے جمہوریت اختیار کی اور الیکشن کروائے، لیکن یہ بات اس لئے فہم میں آتی ہے کہ سربراہ کے نااہل ہونے یا ہو جانے پر معزول کرنے کا قاعدہ بالائے طاق رکھ دیا گیا اس پر دار و گیر کرنے والا کوئی نہ رہا ورنہ جیسے چپڑاسی سے لے کر وزیر اعظم تک ایک ایک افسر

ہوتا رہتا ہے اور افسر کے خوف و رعب سے عملہ درست ورنہ برطرف ہوسکتا ہے اور اسی سے کام بہتر بنتا ہے۔ سربراہ مملکت یا صدر یا امیر پر بھی عزل و نصب کی ایک قوت ہوتی ہے جس سے وہ ہر مسئلہ پر خوف و رعب کی وجہ سے حق پر قائم اور باطل سے یکسو رہ سکتا ہے ورنہ برطرف کیا جاسکتا ہے اسی جماعت کا نام اہل حل وعقد یعنی مدار حکومت ہے۔ انہیں کو مجلس شوریٰ کا ممبر بنایا جاتا ہے۔ انہی کو عزل ونصب امیر کا حق ہے۔ حکومت کی باطنی باگ دوڑ انہی کے ہاتھ ہوتی ہے امیر خود ملک کے ہر گوشہ سے ان کو چن کر رکھتا ہے اور حسب قواعد شرعیہ وہ عمل کرتے ہیں جو خرابی اب ان میں آتی ہے وہ ان کے نہ ہونے سے ہی آتی ہے جیسے ہر ماتحت افسر کے رعب یا خوف سے کام کرتا اور غلطی پر برطرفی یا سزا کا خطرہ رکھ کر ہی کام درست رکھتا ہے۔ عزل و نصب امیر کے قواعد مقرر ہیں اور ان کے موافق مدار حکومت اہل حل و عقد کام کیا کرتے ہیں اور کرسکتے ہیں پھر کوئی خرابی نہ ہوگی ورنہ جمہوریت الیکشن کی صورت کا خمیازہ تو ابھی ابھی تازہ بھگت کر بیٹھے ہیں اس لئے اوپر بھی ایک قوت کی ضرورت ہے۔

(۲۰) یاد رکھئے حکومت خود مقصود ہی نہیں یہ صرف احکام کو نافذ کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور حکم اور قانون سازی کسی اور کا کام نہیں ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف اللہ کا ہی ہے) جو لوگ خوش دلی سے حکم پر عمل پیرا ہیں حکومت کی طرف سے ان پر کوئی دار وگیر نہیں۔ جو بے حکمی کرتے ہیں ان کو ترغیب، ڈرانے دھمکانے سے ورنہ سزا دے کر روکنے سے عمل پیرا بنانا ہے خدائی قانون وحکم کو ہر قانون وحکم پر وہی برتری حاصل ہے جو خود خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر ہے۔ مقصود بھلائی اختیار کرنا اور کرانا اور برائی سے بچنا اور بچانا ہے حقیقی بھلائی و برائی صرف وہی ہوسکتی ہے جس کو برائیوں، بھلائیوں کے پیدا کرنے والے نے متعین فرمایا ہے اس لئے صرف اس کی پابندی دین و دنیا کی کامیابی اور چین سکھ کی زندگی کی ضامن ہے۔ ہر غافل یا سرکشی جاہل کو اسی کی خیر خواہی کے لئے خوشی سے ورنہ جبر و سزا سے پابند کرنا ہے، جیسے ہر باپ بچوں کی تربیت جبر سے بھی کرنا ضروری سمجھتا ہے حکومت کے ذریعے پورے ملک کی دینی و دنیوی فلاح لازم ہے جیسے حضورؐ نے فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (تم میں سے ہر شخص ذمہ دار افسر ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی) حکمران پورے ملک کا افسر اپنے ماتحتوں کا گھروالا پورے گھر کا، عورت امور خانہ داری کی ذمہ دار ہے جو بھی اپنا یہ فرض ادا نہ کرے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے برسر اقتدار لوگوں کا طغری امتیازیہ بیان فرمایا ہے کہ: الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر" (اگر ہم ان کو اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے)

(۲۱) اس وقت جب کہ اسلامی قانون کا نفاذ شروع ہو چکا ہے اس کے مخالف لوگ یا ناواقف لوگ الیکشن جلد ہونے کا شور مچا رہے ہیں۔ عوام دھوکے میں آسکتے ہیں کہ شاید یہ بھی اسلام کے لئے مفید بات ہوگی مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اسلام دشمنی کی ایک زبردست چال ہے (الف) کہ لوگ الیکشن کی کشمکش میں منہمک ہوجائیں اور یہ نفاذ اسلام کی سب کوششیں یکسر سرد پڑ جائیں۔

(ب) جو امن و امان آغاز نفاذ سے میسر آچکا ہے پاش پاش ہوجائے اور نظام اسلام سے لوگ بددل ہوجائیں اور [illegible] بدنامی حاصل ہو (ج) خلاف کے اقتدار کے لئے جن بے ایمانیوں اور دھاندلیوں کی ضرورت ہے جس میں ظلم و جبر اور دھوکہ سے کام لیا جاتا ہے وہ ابھی تک بے روک ٹوک ہوسکتی ہیں ورنہ پھر الیکشن جیتنا دشوار ہوجائے گا۔

(د) کامل اسلام کے نفاذ سے پہلے دھوکہ اور اسلام کے نام سے بہکانے میں کامیابی کی راہ نکل سکے گی (ھ) اسلام کی خوبیاں دلوں میں رچ بس جانے کے بعد خلاف کی اسکیمیں بے بس ہوجائیں گی موقع کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے (و) اس سے پہلے پچھلی حکومت کا رویہ واپس لایا جائے، اقتدار پر قبضہ کیا جائے، اسلام کے نام لیواؤں سے انتقام لیا جائے اور اسلام کا نام ختم کر دیا جائے تاکہ پھر کوئی اسلام کا نام بھی نہ لے سکے (ز) ابھی تک وقت ہے کہ الیکشن کے بے مہار مقرر، سرپھرے صحافی پوری کوشش کر کے لوگوں کو اسلام سے بالکل بیزار کر دیں تاکہ آئندہ اسلامی نظام کا تصور ہی ختم ہوجائے، (ح) یورپ کے اثرات سے لوگوں میں اسلام کم اور نفسانیت زیادہ ہے لہٰذا نفسانی خواہشات اجاگر کر کے سب کو اسلام سے منحرف کیا جائے (ط) اس وقت تک تو چند ہی اسلامی باتوں کا اعلان ہوا ہے ان کا روکنا اور ختم کرنا آسان ہے

بعد میں اس کے اثرات کا مٹانا مشکل ہوگا۔ (ی) اگر اسلام کے بہی خواہوں کا اقتدار جو ابھی خام ہے کچھ عرصہ اور پختہ ہوگیا تو سب منصوبے خاک میں مل جائیں گے، لہذا جلد از جلد الیکشن کا شور مچا کر ایسا داؤ چلایا جائے۔

غور کر کے دیکھئے کہ کیا واقعی الیکشن جلد کرانے سے اسلام دشمنی ہوگی یا نہیں امید ہے کہ اسلام دشمنوں پر کڑی نظر رکھی جائے گی اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان نہیں کیا جائے گا، اس لئے ہم سب کا فریضہ ہے کہ اس غیر اسلامی طریق الیکشن کو روکیں اور اگر کسی طرح الیکشن سے صرف نظر نہ کیا جا سکتا ہو اور جھوٹی شہادت، فساد و فتنہ، آویزش اور مسلمانوں کی فتنہ پر مشتمل یہ سوانگ رچانا ناگزیر ہو تو کم از کم نفاذ اسلام میں تو رکاوٹ نہ بننے دیا جائے، جب اسلام مکمل نافذ ہو جائے گا اس پر سختی سے عملدرآمد شروع ہو جائے گا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت رچ بس جائے گی اس وقت کے لئے الیکشن کو ملتوی کر دیا جائے تاکہ اس کے عظیم نقصانات سے کلی طور پر نہ سہی کسی نہ کسی حد تک قوم محفوظ رہ سکے۔

۲۲۔ ایک خیال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کا قیام الیکشن اور جمہوریت کے طریقہ پر ہوا تھا۔ اگر چہ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے تو پاکستان پورا پورا ہی غیر اسلامی ہوا جیسا ملک ویسا ہی اس کا انتظام ہونا چاہیئے۔

اوّل تو یہ بھی غلط ہے کہ پاکستان الیکشن سے قائم ہوا ہے، پاکستان تو نام اس حکومت کا ہے جو مسلمانوں کی قدیم حکومت تھی اسی کو پوری کو حاصل کرنا پاکستان تھا۔ اسی کو پوری کی پوری کو حاصل کرنے کے لئے بعض حضرات نے دو جنگیں تجویز کی تھیں، ایک انگریز سے دوسری ہندوؤں سے، بعض نے اس کے سنگین خطرات محسوس کئے اور وہ کچھ حصے پر ہی فی الحال راضی ہوگئے اس میں الیکشن کا کیا واسطہ تھا۔ اپنا مال واپس لینا تھا اور اگر بالفرض الیکشن ہی ہوا ہوتا تو وہ مخالف کے ساتھ مخالف کے ہتھیار سے جنگ ہوتی مگر پاکستان کا لینا تو اسلام کے لئے ہی تھا اور نہ سابق حکومت ہی کافی تھی۔ اس میں تصور غیر اسلامی ہی ہونے کا تھا تو اب ملک کو غیر اسلامی کہنا دنیا کو دھوکہ دینے کے سوا کیا ہو سکتا ہے تو اسلامی غصب شدہ مملکت کی واپسی ہے گو پوری ابھی نہیں ہوئی۔

۲۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان بنے ہوئے تقریباً بتیس ۳۲ سال ہو رہے ہیں، اس میں ہمیشہ الیکشن ہوتے رہے، اسلامی حکومت میں یہ غیر اسلامی کام کیوں رہا جب کہ جمعیۃ علمائے اسلام و مرکزی جمعیت علماء اسلام جمعیۃ علمائے پاکستان اور اسلامی جماعت سب اسلام کے لئے ہی تھیں تو غیر اسلامی کام کو کیسے برداشت کیا گیا اور کسی نے اس کو آج تک غیر اسلامی نہیں کہا۔ تو بات یہ ہے کہ غیر اسلامی ہونے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اسلام کا مخالف نہ ہو گو اسلام کا طریقہ نہ ہو اور ایک یہ کہ اسلام کے خلاف باتوں پر مشتمل ہو، پہلی بات کی اسلام میں گنجائش ہو سکتی ہے کہ گو اسلامی طریقہ نہیں مگر ناجائز نہیں، گناہ نہیں۔ کسی اچھے کام کا ذریعہ ہو تو کیا حرج ہے جب تک اس کے تجربات اتنے خطرناک سامنے نہ آئے تھے، جو بار بار الیکشن ہونے سے سامنے آتے ہیں۔ اس کی اتنی برائی نہ تھی۔ لیکن اب کہ اس کی خطرناکیاں سب پر روشن ہو چکی ہیں اور خاص کر اس وقت کہ الیکشن ہونا اسلامی قانون کے عزم و ارادہ میں اور کام شروع ہوتے ہوئے اس کام میں رکاوٹ بلکہ اس کو بند کر دینے کا ذریعہ ہو کر اسلام سے بغاوت بن رہا ہے۔ ایسے وقت تو کسی طرح گنجائش نہیں ہو سکتی، ایسے وقت میں کہ اوپر عرض ہو چکا ہے کہ الیکشن کرانا اسلامی نظام سے بغاوت کرنا ہے۔ وقت وقت کا فرق قابل لحاظ چیز ہے۔ آج کے حالات کا حکم پہلے سے مختلف ہونا ضروری ہے گو کسی وقت کسی کو اس کو گنجائش معلوم ہوتی ہو مگر اب تو کھلی اسلام دشمنی اور اسلام سے بغاوت ہے، اب کیسے کوئی درست کہہ سکتا ہے اور پھر بھی کوئی کہیگا تو کسی اور چیز کی غمازی ہوگی

۲۴۔ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر اسلام میں عوام کی معیت سے ہی تو سربراہِ مملکت ہوتا ہے یہ عوام کا الیکشن ہی تو معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے اہم ترین خلیفہ کو حسب سابق حکمران نے منتخب کیا تھا تو انہوں نے اس مسئلہ کو عوام میں رکھ دیا تھا۔ ان باتوں سے الیکشن اسلامی چیز ہو سکتی ہے۔ تو بات یہ ہے جیسے عقائد کی کتابوں کے آخر میں اور فقہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے کہ سربراہ حکومت کا تقرر ان طریقوں سے ہوتا ہے اور بیعت عام اس کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ امام ہونے سے پہلے بیعت ہوتی ہو جو بیکار محض ہے وہ طریقے یہ ہیں (الف) قدیم سربراہ نے جو دین و دنیا کے ماہرین کی جماعت مشیر کار بنا رکھی تھی وہ بالاتفاق ایک کو منتخب کر لیں اور خود اس کی بیعت کر کے دوسروں کو بیعت کی ہدایت کر دیں۔ سب کا اجماع و اتفاق ہو جائے۔ جیسے اولین خلیفہ کا تقرر ہوا تھا۔ (ب) سربراہ اوّل خود منتخب کر دے، جیسے حضرت خلیفہ ثانی میں ہوا کہ جب سربراہ عادل کا ہر حکم واجب العمل ہے تو یہ حکم بھی واجب العمل ہونا لازم ہے۔ (ج) سربراہ قدیم چند لوگوں کے سپرد کر دے اور وہ انتخاب کر دیں، وہ چند مشیر کار اور اہل حل و عقد ہوں جیسے بعد کے خلفاء کا تقرر ہوا (د) کسی فاسق فاجر مرتکب کبائر کا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں بعض صحابہؓ و تابعین کے نزدیک جائز نہیں کہ مقصود دنیا بنتی ہے، بے دینی بنتی ہے اس کو نافذ

کرتا ہے جو خود دین کا پابند نہیں وہ دوسروں کو پابند نہیں کر سکتا۔ یہ مملکت کے فساد کا ذریعہ ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک اگر امورِ دنیا میں مہارت رکھتا ہو تو اس شرط سے امیر بنانا درست ہے کہ وہ اہلِ علم و تقویٰ کے مشورہ کا پابند ہو تاکہ دین کی خرابی نہ کر سکے۔ اسی بنا پر بعض خلفا کی بیعت کے باب میں اختلاف رہا تھا مگر راجح قول یہی ہے کہ اس شرط سے اس کا خلیفہ ہونا جائز ہے پھر بھی عادل خلیفہ اگر فسق اختیار کر جائے تو اسے خود کو معزول کرنا ضروری ہے ورنہ اہلِ حل و عقد اگر وہ توبہ نہ کرے صلاح و تقویٰ نہ اختیار کرے، اس کو برطرف کر سکتے ہیں۔ (۵) اگر ایسے خلیفہ پر دوسرا کوئی غالب آجائے تو وہ عادل ہو اس کے احکام نافذ ہونے لگیں وہ بھی امیر بن سکتا ہے۔ ان میں سے کسی بات کے بعد بیعت اسی کی تکمیل ہوتی ہے نہ کہ الیکشن۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اختیار دیا تھا اگر وہ فیصلہ نہ کریں گے تو الگ ہو جائیں گے یہ الیکشن نہ تھا۔

۲۵۔ اہلِ حل و عقد یا مدارِ حکومت مشیرکار یا مجلس شوریٰ کے ممبران تو آخر الیکشن سے ہی منتخب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے الیکشن ضروری ہوگا نہیں نہیں یہ بات نہیں ہم لوگوں کو بھی وہی روش اختیار کرنی ضروری ہے جو اوّل اسلام سے چلی آرہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو کسی الیکشن سے مقرر نہیں کرایا تھا۔ خود حضورؐ نے ہی منتخب کیا تھا، اس لئے جو سربراہ مذکورہ طریقوں سے امیر ہوگا وہ اس کو منتخب کرے گا یا سابق عادل سربراہ نے جو منتخب کر رکھے ہوں گے ان میں کمی بیشی کر کے قائم رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ امورِ سلطنت میں مفید و غیر مفید کو وہی خوب سمجھ سکتا ہے جو اس کے نشیب و فراز سے واقف ہے اور ملکی مفید و اہم ہستی سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو اس کام کا ذمہ دار ہے، اسی لئے انہی لوگوں کا انتخاب اصل انتخاب ہے ورنہ جو لوگ نہ کام سے واقف نہ کام کی اہمیت نہ اہم ہستیوں سے واقف نہ ان کی اہمیت سے واقف وہ جو شہادت دیں گے ایک جھوٹی شہادت ہوگی۔ پھر انہی واقف کاروں سے عزل و نصب وجود میں آتا رہے گا۔ یہی صحیح رائے رکھنے والے صحیح معلومات رکھنے والے صحیح شہادت والے ہوں گے۔

ہر افسر اپنے محکمہ میں ہر کارخانہ دار کارخانہ میں ہر فرم والا فرم میں ایسے ہی لوگوں کو کام چلانے کے لئے منتخب کرتا ہے جن کے تجربہ و علم و ہنر سے وہ خود واقف ہوتا ہے انہی کو مشیرکار قرار دیتا ہے انہی کی رایوں کے بعد ایک مستحکم رائے قرار دے کر اس کے مطابق کام کرتا ہے۔ سارے عالم کا کام یونہی چلتا ہے، یہی فطری تقاضا ہے مگر الیکشن فطری چیز بھی نہیں ہے۔

۲۶۔ عدالت کی توہین مدت دراز سے سنگین جرم شمار ہوتی اور اس کے مرتکب کو مستحق سزا قرار دیا جاتا ہے۔ آج کے الیکشن کی جو حرکات ہوں گی اور ان سے اسلام اور تعلیمات اسلام کی جو توہین ہوگی کیا الیکشن الیکشن پکارنے والے اس کی کوشش کرنے والے اس توہین کے مجرم نہ ہوں گے اور کیا اسلام و اسلاف اسلام و تعلیمات اسلام کی توہین رب کی ان عدالتوں کی توہین سے بھی کم درجہ کی ہے۔ اس توہین کا نمونہ سابق الیکشن کے زمانہ میں دیکھ چکے ہیں اور کیا حال ہی میں یوم مئی پر اس کے نمونے سامنے نہیں آچکے لہٰذا اس وقت الیکشن کا نام بھی توہین اسلام و اسلاف اور توہین احکام اسلام کا ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش سخت ترین جرم ہے۔

۲۷۔ افتراق و تفریق ہنگامے اور فسادات کون نہیں جانتا کہ حکومت اور قوم کے لئے تباہ کن چیزیں ہیں مگر یاد رکھیے کہ فسادات کبھی اختلاف سے رونما نہیں ہو سکتے۔ ہر شخص کی شکل، آواز، طور طریق، عقل علم، صورت شکل، وضع قطع، اخلاق و افعال دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر کوئی فتنہ و فساد نہیں ہوتا جب تک زبان درازی اور ہاتھ پیر کی جنبش نہ ہو اصل فتنہ کی جڑ گندہ زبانی اور حرکات ہیں اگر عالم میں امن و امان سکون و اطمینان مقصود ہے تو سخت قانون بنانا ضروری اور اس پر سخت دار و گیر کی ضرورت ہے کہ کوئی شخص گندہ الفاظ زبان سے نہ نکال سکے۔ دوسروں پر کیچڑ نہ اچھال سکے۔ کسی معمولی سے معمولی مسلمان کی آبرو ریزی نہ کرے پھر دیکھیے کہ کتنا سکون و اطمینان ہر شریف زندگی کو میسر ہوگا۔ کتنا امن و امان ملک و قوم کو حاصل ہوگا "بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا"۔ ایک ایسے قانون اور اس پر سختی سے امن عام نصیب ہو سکتا ہے۔ مگر الیکشن اور پھر اس وقت کا الیکشن تو بالکل فتنہ و فساد اور توہین اسلام ہے۔ امن و امان کے مدعی خود اپنے ہاتھوں امن و امان کے پرخچے اڑائیں حیرت کی بات ہے۔ نظام اسلام کے دعویدار محض اسلام کی توہین کا سبب پیدا کریں جو سخت افسوسناک کام ہے۔

۲۸۔ ہر شخص جانتا ہے کہ الیکشن پر ملک و قوم کا کروڑوں روپیہ ضائع ہوتا ہے اور یہ فتنہ و فسادات الگ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر حکومت کے اس روپیہ کو رفاہِ عام کے کام پر لگایا جائے تو کتنا فائدہ حاصل ہو کیا حکومت کا روپیہ اس طرح بے فائدہ ضائع کرنا اور مخالف لوگوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر گھر کو آگ لگانا، کوئی صحیح اقدام ہو سکتا ہے۔

۲۹۔ حکومت کا مال بیت المال کا مال ہے بیت المال تمام قوم کا جمع شدہ اور احکام الٰہی کے موافق جمع شدہ کا نام ہے۔ کوئی سربراہ اس کا مالک نہیں ہوتا وہ حکومت کا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملک کا مال ہوتا ہے۔ سربراہ ایک امین اور پائی پائی کا حساب دینے والا ہے۔ اس کو ایسے

(بقیہ ص ۳۰ پر)

(آخری قسط)

اسلام اور سرمایہ داری

مولانا محمد طاسین صاحب
کراچی

صنعتی شعبہ میں جہاں تک نجی اور گھریلو صنعت و حرفت کا تعلق ہے اس کی جو شکل آج ہے وہی اسلام کے معاشی نظام میں بھی بنتی ہے یعنی کاریگر اپنے اوزار و آلات کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کام کرتا اور اپنی بنائی ہوئی چیز کا خود مالک ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں اجارے کے ختم ہو جانے سے اس فریق کا وجود ختم ہو جاتا ہے جو اپنے آلات و اوزار کے ساتھ دوسرے سے کام کراتا یا دوسرے کو کرائے پر دیتا اور نفع کماتا ہے اور بڑے پیمانے کی اجتماعی صنعت کی شکل یہ کہ شرکت کے اصول پر مل، فیکٹریاں اور کارخانے ان لوگوں کے ہوتے ہیں جو ان کے اندر مختلف قسم کے دماغی جسمانی کام انجام دیتے ہیں یعنی کارخانے کی عمارت، مشینیں، خام مواد اور ایندھن وغیرہ سب چیزیں ان لوگوں کے مشترک سرمائے سے خریدی گئی اور ان کی ملکیت ہوتی ہیں جو اس کارخانے میں مختلف قسم کے کام کرتے ہیں، اور پیداوار یا اس کی رقم ان سب کے درمیان کام و محنت کی نوعیت کے لحاظ سے تقسیم ہوتی ہے، مطلب یہ کہ اس میں سب کا حصہ برابر نہیں بلکہ کام محنت کی نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے بعض کا کم اور بعض کا زیادہ ہوتا ہے جو وہ خود آپس میں پہلے طے کر لیتے ہیں۔

بالفاظ دیگر اسلام کے حقیقی معاشی نظام میں کارخانہ داری اور انڈسٹری کی شکل نہ وہ ہوتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں ہے اور نہ وہ ہوتی ہے جو اشتراکی نظام میں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں انڈسٹری اور کارخانہ داری کی شکل وہ ہوتی ہے جو آج ہمارے ملک میں ہے یعنی کارخانے کے مالک دوسرے ہوتے اور اس میں کام کرنے والے دوسرے ہوتے اور کارخانے کا نظم و نسق مالکان یا ان کے ایجنٹوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ کارخانے کی آمدنی میں سے کچھ حصہ مشینوں کی گھسائی خام مال اور ایندھن وغیرہ کی خریداری کے عوض لے لیتے ہیں اور کچھ بطور کرایہ یا منافع وصول کرتے ہیں اس بنا پر کہ ان کا سرمایہ استعمال ہوا یا ان کے سرمائے سے پیدا ہوا ہے اور کچھ حصہ کاریگروں اور مزدوروں کو دے دیتے ہیں اور اس میں وہ جو بطور منافع لیتے ہیں دراصل وہی استحصال ہوتا ہے۔

اشتراکی اور سوشلسٹ نظام میں کارخانہ داری کی جو شکل ہوتی ہے اور جو روس وغیرہ میں پائی جاتی ہے وہ یہ کہ کارخانہ قومی و اجتماعی ملکیت ہوتا اور حکومت اس کا نظم و نسق چلاتی ہے اور پیداوار سے آمدنی کا بڑا حصہ کام کرنے والوں کو بطور اجرت اور تنخواہ دیا جاتا اور کچھ اجتماعی و قومی ضرورتوں اور مصارف کے لئے مخصوص کر لیا جاتا ہے بہرحال ایسا نہیں ہوتا کہ خرچہ نکالنے کے بعد باقی سب کا سب کام کرنے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہو۔

اور اسلامی معاشی نظام میں کارخانہ داری کی جو شکل بنتی ہے وہ یہ کہ یا تو کارخانہ ان لوگوں کی ملکیت ہوتا ہے جو اس میں کام کرتے اور اس کا نظم و نسق چلاتے ہیں اس صورت میں تیار مال سب کا سب ان کے لئے مخصوص اور ان کے مابین کمی بیشی کے ساتھ تقسیم ہوتا ہے اور اگر کارخانہ ان کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے کی ملکیت ہوتا ہے اور وہی اس میں خام مواد اور ایندھن وغیرہ کا خرچ بھی اٹھاتا ہے تو اس صورت میں دوسرا مجموعی آمدنی میں سے صرف اسی قدر لے سکتا ہے جس قدر کہ مشینوں کی گھسائی، خام مواد اور ایندھن وغیرہ کا عوض اور بدل ہوتا ہے اور اگر وہ اپنے کارخانہ میں کسی نوعیت کا کوئی کام بھی کرتا ہے تو اس میں سے وہ اپنے کام کا معاوضہ بھی لے سکتا ہے لیکن صرف اتنا ہی جتنا کہ اس کام کا معاوضہ کسی دوسرے کے لئے ہوتا، اس سے زائد نہیں لے سکتا کیونکہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جب دو آدمیوں کا کام، نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے برابر ہو تو

ضروری ہے کہ دونوں کی اجرت و تنخواہ بھی برابر ہو تاکہ انسانی مساوات کا تحفظ ہوسکے، اس کے بعد مجموعی آمدنی سے جو بچتا ہے وہ سب کا سب ان لوگوں کا حق ہوتا ہے جو کارخانے کے اندر مختلف قسم کے کام انجام دیتے ہیں، مالک کارخانہ اس میں سے منافع یا کرائے کے نام پر کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ حقیقت میں سرمایہ کسی مال کو پیدا نہیں کرتا لہٰذا وہ اپنے سرمائے کی وجہ سے کسی زائد چیز کا حقدار نہیں ہوتا۔

اسی مطلب کی وضاحت ایک مثال سے ملاحظہ فرمائیے۔ زید نے اپنے دس لاکھ کے سرمائے سے کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کیا جس میں پچاس کاریگر اور مزدور کام کرتے اور ہر ماہ اس میں مثلاً بیس ہزار روپے کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ادھر چلنے اور گھسنے سے ہر ماہ مشینوں کی قیمت میں مثلاً ایک ہزار روپے کی کمی ہوتی ہے اور ہر ماہ خام مواد یعنی روئی یا سوت وغیرہ پر مثلاً چار ہزار روپے اس کی جیب سے خرچ ہوتے ہیں لہٰذا اسلامی اصول کے مطابق زید ہر ماہ بیس ہزار روپے میں سے ایک ہزار روپے مشینوں کی گھسائی کے اور چار ہزار روپے دوسرے خرچہ کے لینے کا حقدار ہوتا ہے اور اگر اس نے منیجر کی حیثیت سے کارخانہ میں کام بھی کیا ہے جس کی قاعدہ کے مطابق مثلاً ایک ہزار روپے ماہوار تنخواہ ہوتی ہے تو وہ بقیہ رقم میں سے مزید ایک ہزار روپے لے سکتا ہے، اس کے بعد جو چودہ ہزار رہ جاتے ہیں ان کے تمام تر حقدار وہ پچاس کاریگر اور مزدور ہوتے ہیں جنہوں نے کارخانہ میں مختلف کام انجام دیئے ہوتے ہیں مالک کارخانہ زید ان میں سے منافع کے نام پر مزید کچھ نہیں لے سکتا۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اسلام دیگر ذرائع پیداوار کی طرح ایک کارخانے کی بھی شخصی و انفرادی ملکیت کو جائز تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کے تجویز کردہ تصور ملکیت کے مطابق وجود میں آئی ہو اور پھر مالک کے لئے اس کا پورا تحفظ کرتا ہے وہ اس طرح کہ کارخانے کی آمدنی میں سے مالک کو مشینوں کی گھسائی کی رقم بھی دلواتا ہے اور وہ رقم بھی جو خام مواد وغیرہ کی خریداری پر اس کی جیب سے خرچ ہوتی رہتی ہے لہٰذا اس طرح اس کا اصل سرمایہ بہر حال اس کے لئے محفوظ رہتا ہے اور اگر وہ کارخانہ میں کوئی کام بھی کرتا ہے تو اس کام کے معاوضہ سے اس کی شخصی دولت میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ عموماً روزمرہ کی ضروریات زندگی پر خرچ ہو جاتا ہے اور اگر وہ کوئی کام نہیں کرتا اور اس کی مزید آمدنی نہیں ہوتی تو خرچ ہوتے رہنے سے اس کی اصل دولت مسلسل گھٹتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف چونکہ محنت کش طبقہ کی اجرتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے لہٰذا ان کی معاشی حالت دن بدن بہتر ہوتی اور ترقی کرتی چلی جاتی ہے اس کا نتیجہ کچھ عرصہ کے بعد معاشرے میں معاشی اعتدال و توازن کی صورت میں سامنے آتا ہے جو پائیدار امن و اطمینان کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

ادھر چونکہ یہ واقعہ ہے کہ آج پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں انڈسٹری اور کارخانہ داری کا جو نظام بروئے کار اور چل رہا ہے وہ قطعی طور پر سرمایہ دارانہ نظام ہے لہٰذا اگر ہم اس کو اسلام کے مطابق بنانا چاہیں تو اس کا صرف یہی طریقہ ہو سکتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا، اس طریقہ سے ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا اصل سرمایہ محفوظ رہتا ہے جو کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالک ہیں اور اس بڑے نقصان سے بچ جاتے ہیں جو زبردستی قومیائے جانے کی شکل میں انہیں اٹھانا پڑے گا نیز اس طریقہ کو اپنانے اور اختیار کرنے سے وہ دنیا میں عزت و احترام کے مستحق بن سکتے ہیں قوم انہیں اعلیٰ قومی اعزازات سے نوازے گی اور آنکھوں پر بٹھائے گی۔ آج ان کے متعلق دلوں میں جو نفرت و عداوت ہے وہ محبت و دوستی سے بدل جائے گی اور وہ خوف و بے چینی کی بجائے امن و اطمینان سے زندگی گزاریں گے نیز وہ اللہ کے ہاں اپنے لئے بڑے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائیں گے بشرطیکہ اس میں ان کی نیت اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہو، غرضیکہ انہیں اس طریقہ سے دنیا اور آخرت میں وہ کچھ مل سکتا ہے جو انہیں اربوں کھربوں روپے جمع کر لینے سے نہیں مل سکتا۔

اور پھر قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کی جو تعلیم ہے اگر اس پر ہم مسلمان عمل نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ کیا اس تعلیم کا یہ تقاضا نہیں کہ جن مسلمانوں کو اللہ نے ان کی ضرورت سے زائد مال دے رکھا ہے وہ اپنا زائد مال دوسرے ضرورتمند بھائیوں کو پہلے تو صدقہ و خیرات کے طور پر دیں اور اگر صدقہ و ہبہ کے طور پر نہیں دے سکتے تو پھر قرض حسنہ کے طور پر ان کو برتنے اور استعمال کرنے کے لئے دیں اور انہیں فائدہ پہنچائیں، لہٰذا اگر وہ مسلمان جو آج کارخانوں کے مالک ہیں اپنے اصل سرمائے کے تحفظ کے ساتھ اپنے کارخانے دوسرے مسلمانوں کو استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں اور اس کے عوض کوئی منافع نہیں لیتے تو وہ قرض حسنہ کی اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بار بار دی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا اللہ کے ہاں اجر و ثواب کا کام ہے۔

اسلام کے حقیقی معاشی نظام میں انڈسٹری اور کارخانہ داری کی عملی شکل پر میں نے قدرے تفصیل سے اس لئے لکھا ہے کہ آج کا دور ایک صنعتی دور ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی سے ہر ضرورت کے لئے نئی سے نئی مشینری تیار ہو رہی ہے اور ہر ملک میں کارخانوں پر کارخانے لگ رہے ہیں لہذا یہ سوال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں کارخانہ داری کی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ اور پھر جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے علماء کرام نے جس طرح زراعت، تجارت اور بنکاری وغیرہ پر لکھا ہے اس طرح کارخانہ داری کے پہلو پر نہیں لکھا حالانکہ یہ بڑا اہم اور توجہ طلب پہلو ہے۔

اب میں تجارتی شعبہ کی طرف آتا ہوں۔ تجارتی شعبہ کی جو شکل اسلام کے مثالی معاشی نظام میں بنتی ہے وہ یہ کہ تجارتی لین دین براہ راست بائع اور مشتری یعنی بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان ہوتا ہے اور اس کا مال ہوتا ہے جو بالفعل موجود ہو اور جس کا قبضہ دیا جا سکتا ہو، مطلب یہ کہ اس کے اندر کسی دلال اور ایجنٹ کے لئے جگہ نہیں ہوتی جو بغیر کسی خاص اور قابل لحاظ محنت و مشقت کے کمیشن لیتا اور بلا ضرورت اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے، عام ہے کہ وہ دلال اور ایجنٹ کوئی فرد ہو یا کوئی ادارہ جیسے بنک اور بیمہ کمپنی، اسی طرح اس کے اندر کسی ایسے مال کی خرید و فروخت نہیں ہوتی جو بالفعل موجود نہیں ہوتا اور جس کا قبضہ دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا، نیز اس میں کسی ایسی چیز کی بھی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی جو مال کی تعریف میں نہیں آتی جیسے وہ کاغذی شیئرز اور حصص جن کو مشترک سرمائے کی کمپنیاں جاری کرتی ہیں کیونکہ نہ وہ کوئی ایسی جنس ہوتے ہیں جس کی ذات کے اندر انسان کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت ہوتی اور جسے استعمال کرنے سے انسان کی کوئی ضرورت پوری ہوتی ہے اور نہ وہ سونا چاندی ہوتے اور نہ حکومت کے مقرر کردہ وہ سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں چونکہ اسلام کے مثالی معاشی نظام میں مضاربت ختم ہو جاتی ہے لہذا ایسی کمپنیاں بھی باقی نہیں رہتیں جو مضاربت کی بنیاد پر عملاً آئیں اور مالکان حصص کو نفع و نقصان میں شریک کرتی ہیں، البتہ شرکت کے وہ ادارے قائم رہتے ہیں جن میں تمام شرکاء کا مال بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کام و عمل بھی، ایسے ادارے جس طرح تجارت میں قائم رہتے ہیں اس طرح زراعت اور صنعت میں بھی قائم رہتے ہیں کیونکہ ان میں ہر شریک کو جو نفع ملتا ہے اس کے عوض اس کی طرف محنت موجود ہوتی ہے۔

اسی طرح چونکہ اسلام میں جوا اور قمار حرام ہے لہذا اسلامی نظام تجارت میں تجارت کی ایسی شکلیں ختم ہو جاتی ہیں جن کے اندر جوئے کا رنگ پایا جاتا ہے جیسے سٹے کا کاروبار اور بیمہ و انشورنس کا دھندہ۔

اسلامی معاشی نظام کا چونکہ ایک اصول یہ بھی ہے کہ معاشرے کو جس چیز کی جتنی ضرورت ہو اس کے مطابق وہ چیز تیار کی جائے لہذا اس کے اندر اشیاء ضرورت کی خوب سوچ سمجھ کر جو قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں وہ ہمیشہ ایک ہی سطح پر قائم و برقرار رہتی ہیں اس لئے کہ جب ان اشیاء کی مقدار میں کمی و بیشی نہیں ہوتی تو طلب و رسد کے قانون کے تحت ان کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ بھی نہیں ہوتا۔ جب قیمتوں میں اتار چڑھاؤ نہیں ہوتا تو اس سے احتکار اور ذخیرہ اندوزی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جس سے مقصود قیمتوں کو چڑھا کر زیادہ نفع کمانا ہوتا ہے، بالفاظ دیگر چونکہ اسلام کے نزدیک قیمتیں بڑھانے کی غرض سے اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کرنا حرام و ناجائز ہے لہذا اس کے سدباب کے لئے جو طریقہ مفید ہو سکتا ہو اس کا اختیار کرنا اسلام کی رو سے ضروری ہے اور وہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اشیاء ضرورت اتنی پیدا کی جائیں جتنی کہ ان کی ضرورت ہو، اور پھر چونکہ ایسا منصوبہ بندی کے بغیر نہیں ہو سکتا لہذا اس سے معاشی منصوبہ بندی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال یہ بھی واقعہ ہے کہ آج ہمارے ہاں قومی اور اجتماعی سطح پر جو نظام تجارت رائج ہے وہ اپنی روح اور اپنے ڈھانچے کے لحاظ سے خالص سرمایہ دارانہ نظام تجارت ہے، بڑے پیمانے کا تمام تجارتی کاروبار، بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کے ذریعے ہوتا ہے جن کی بنیاد سود اور جوئے پر قائم ہے لہذا یہ نظام تجارت قطعاً غیر اسلامی ہے اور پھر چونکہ یہ نظام تجارت بنیادی طور پر اسلامی نظام تجارت سے مختلف اور متبائن ہے لہذا یہ اوپر کے جزوی اور سطحی رد و بدل سے کبھی اسلامی نہیں بن سکتا، اسے اسلامی بنانے کے لئے اس کی جڑ اور بنیاد کو بدلنا ہوگا۔

اور پھر جیسا کہ پیچھے اجارے کی بحث میں عرض کیا گیا کہ اسلام کے مثالی معاشرے اور آئیڈیل معاشی نظام میں اجارے کا معاملہ بھی خود بخود ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جہاں کامل عدل و انصاف اور احسان پایا جاتا ہو اور

جہاں ہر فرد کو اس کی بنیادی ضروریات میسر ہوں وہاں ایسے معاملے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی جس میں کسی کی حق تلفی واقع ہوتی اور جو مجبوری کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے لیکن آج جو صورت حال ہے وہ یہ کہ ہمارے پاکستان میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جن کے پاس رہائش کے لئے اپنے مکان اور کاروبار کے لئے اپنی دکانیں اور اپنے دفتر نہیں لہذا وہ مجبور ہیں کہ کرائے کے مکانوں میں رہیں اور کرائے پر دکانیں اور دفاتر لے کر کام کریں، دوسری طرف بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے کرائے پر چلانے کے مکانات اور دکانیں وغیرہ بنا اور خرید رکھے ہیں اور ان کو کرائے پر دے کر خوب کما رہے ہیں اور یہ کاروبار اس لحاظ سے بڑا نفع بخش اور کامیاب کاروبار ہے کہ اس میں اصل سرمایہ محفوظ رہتا اور منافع یقینی ہوتا ہے اور کوئی خاص محنت ومشقت بھی نہیں کرنی پڑتی، چنانچہ اس میں بڑی ترقی ہو رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کرایہ داری کے اس شعبہ کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنایا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب تقریباً وہی ہے جو پیچھے کارخانہ داری کے متعلق عرض کیا گیا یعنی یہ کہ مالکان کا اصل سرمایہ ان کے لئے محفوظ رہے گا لیکن وہ اس پر کچھ مزید نہیں لے سکیں گے۔ مطلب یہ کہ استعمال سے مکان وغیرہ کی مالیت اور قیمت میں جو کمی واقع ہوگی اس کا عوض ادا کرنا ان لوگوں پر لازم ہوگا جو انہیں استعمال کریں گے اور فائدہ اٹھائیں گے اور پھر رفتہ رفتہ یہ کوشش کی جائے گی کہ مالکوں کو پورا معاوضہ ادا کر دیا جائے اور وہ لوگ مکانوں دکانوں کے مالک بن جائیں جو آج کرایہ دار ہیں۔

مقالہ ختم کرنے سے پہلے یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں آج جو معاشی نظام عملی طور پر قائم اور جاری ہے وہ بلا شبہ ایک سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ ہر پہلو اور ہر شعبے کی جو عملی شکل ہے وہ اس تصور اور نظریے پر مبنی ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے لہذا جس کاروبار میں بھی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت ہو اس کا منافع دونوں کو ملنا چاہیئے، ادھر اسلام کے نزدیک چونکہ نظریہ مذکور باطل ہے لہذا موجودہ معاشی نظام بنیادی طور پر ایک غیر اسلامی اور باطل معاشی نظام ہے بنا بریں یہ نظام محض شعبۂ بنکاری کو سود کی بجائے مضاربت پر تشکیل کر دینے یعنی صرف بنک کے سود کو ختم کر دینے اور اس کے ساتھ زکوٰۃ کا شرعی نظام نافذ کر دینے سے کبھی اسلامی معاشی نظام نہیں بن سکتا، جس کا بھی یہ خیال ہے درست نہیں اور اس بات کی دلیل ہے کہ اسے نہ اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے کا موقع ملا ہے اور نہ نظام سرمایہ داری کو سمجھنے کا، اور اس کے سطحی مطالعے نے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے اور اگر وہ اسلام دوست ہے تو یقیناً نادان دوست ہے جس سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آج ہمارے ملک میں جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج اور برسر کار ہے اس کو بدل کر اس کی جگہ اسلام کا حقیقی اور مثالی معاشی نظام قائم کرنا جس کی بعض خصوصیات اس مقالے میں واضح کی گئی ہیں۔ کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ بڑا ہی مشکل، صبر آزما اور وقت طلب کام ہے جب تک معاشرے میں ایک خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول پیدا نہ ہو جائے اسلام کا حقیقی معاشی نظام پائیداری کے ساتھ عمل میں نہیں آسکتا، خاص طرح کے ذہنی ماحول سے مراد ہے عام طور پر ذہنوں کے اندر عدل و احسان کے وہ احساسات پیدا ہو جانا جو انسان کو ہر دوسرے انسان کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرنے بلکہ اپنے حق کا دوسرے کے لئے ایثار کرنے پر ابھارتے ہیں اور ایمانی عقائد کے ذریعے پیدا ہوتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ رہتے اور نشوونما پاتے ہیں اور خاص طرح کے خارجی ماحول سے مراد ہے معاشرے کا معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور سیاسی آزادی کے لحاظ سے خود مختار ہونا حتی کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے معاملات طے کر سکے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کام باقاعدہ منظم طریقے سے مسلسل جد وجہد اور طویل وقت چاہتے ہیں۔ چھو منتر اور ڈنڈے کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتے، البتہ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ عملی و نظری طور پر اسلام کے حقیقی اور مثالی معاشی نظام کو متعین اور واضح کیا جائے، اور عقلی طریقہ سے یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ وہ انسانیت کے لئے کیسے بہتر اور دوسرے نظاموں کے مقابلہ میں کیونکر اچھا ہے اور یہ کام اکیڈیمک قسم کا اور علماء اسلام کے کرنے کا کام ہے، اب تک متفرق طور پر اس طرح کا جو کام ہوا ہے وہ ناقص بھی ہے اور الجھا ہوا بھی ہے بلکہ اس کے اندر حد درجہ اختلاف و تضاد ہے یہاں تک کہ غیر جانبدار آدمی جب ان کتابوں کتابچوں مقالوں اور مضامین کو پڑھتا ہے جو اسلام کے معاشی نظام سے متعلق مختلف علماء و مفکرین نے لکھے اور چھپ کر منظر عام پر آئے ہیں تو وہ سر

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیرت و کردار کی ایک جھلک

(قسطِ اول)

حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مجددی

امیر المومنین سیدنا ابو محمد حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ۱۵ رمضان ۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے منہ مبارک میں کھجور چبا کر اپنے لعابِ دہن مبارک سے گھٹی ڈالی۔ امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب کے نام پر آپ کا نام حرب تجویز کیا لیکن حضور علیہ السلام نے حسن نام رکھا اور یہی مشہور ہوا۔ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ "فاطمہ بنت محمد" مولفہ عمر ابو النصر لبنانی طبع مصر ص۵۲۔ نیز اسی کتاب کا اردو ترجمہ بنام "الزہراء" طبع مکتبہ جدید لاہور ص۱۱ نیز تاریخ ابنِ کثیر ص۲۳۔

آپ کے حالات طیبہ لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ قریش اور بنو عبد مناف کا مختصر تذکرہ کیا جائے کیونکہ آگے چل کر یہ معلومات ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ہوں گی۔

خاندانِ قریش

اللہ تعالیٰ نے اس کائناتِ ارضی کی فوز و فلاح کے لئے جزیرۃ العرب کے مشہور عالم شہر مکہ مکرمہ میں اپنے پہلے گھر بیت اللہ الحرام کو بطور مرکزِ عالم منتخب فرمایا۔ جزیرۃ العرب میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے یہاں ایک خاندان بستا تھا۔ اس کا نام قریش تھا۔ قریش، نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ اس طرح اس کی اولاد قریش بنو کنانہ بھی کہلاتی تھی۔ نضر کی پانچویں پشت نیچے آکر کعب بن لوی ہوا ہے۔ اس کعب کے دو بیٹے مرہ اور عدی تھے۔ عدی کی آٹھ پشت نیچے آکر خلیفہ راشد ثانی حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں یہ بنو عدی کہلاتے ہیں۔

اور مُرّہ کے دو بیٹے تھے کلاب اور تیم۔ تیم کی چھٹی پشت نیچے آکر خلیفہ بلا فصل امیر المومنین سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ یہ بنو تیم کہلاتے ہیں۔

پھر کلاب کے پوتے عبد مناف بن قصی ہوئے ہیں۔ اس عبد مناف کے دو بیٹے ہاشم اور عبد شمس ایک ماں سے ہوئے ہیں۔ اس عبد شمس کو مخفف کر کے "عبشم" بھی کہتے ہیں تو ہاشم کی اولاد ہاشمی اور عبشم کی اولاد عبشمی کہلاتی ہے۔ ہاشم حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردادا تھا۔ اور عبشم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ عبشمی کا پردادا تھا۔ پھر عبشم کے تین بیٹے یہ بھی تھے۔ ۱۔ امیہ، ۲۔ عبد العزیٰ اور ۳۔ حبیب۔ خلیفہ راشد ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبشم بن عبد مناف اسی حبیب کی پڑپوتی اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبشم بن ابو العاص بن عبد مناف کے لڑکے تھے۔

حضور علیہ السلام کے پہلے داماد

اور عبد العزیٰ کے پوتے حضرت ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبشم بن عبد مناف تھے۔ یہ حضور علیہ السلام کے پہلے داماد تھے۔ ان حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام کی پہلی اور سب سے بڑی شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی اور یہ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد کے حقیقی بھانجے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد تھا اور یہ ہالہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھی۔ تو ان حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جو اپنی والدہ کی نسبت سے سید علی الزینبی کہلاتے تھے۔ (پھر بعد کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سید علی بھی علی الزینبی کہلائے)

تو یہ صاحبزادے سید علی الزینبی بن ابو العاص عبشمی حضور علیہ السلام کے پہلے اور بڑے نواسے تھے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام کی سواری مبارک پر اپنے نانا جان حضور علیہ السلام کے ساتھ سوار تھے اور یہ والد کی طرف سے عبشمی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے ہاشمی تھے اور

جوان ہو کر فوت ہوئے اور ان حضرت علی بن ابوالعاص عبشمی کی ایک بہن سیدہ امامہؓ بھی تھیں۔ یہ امامہؓ حضرت ابوالعاص اور سیدہ زینب کی صاحبزادی اور حضور علیہ السلام کی بڑی اور پہلی نواسی تھیں حضرت زینبؓ کی وفات کے بعد ان سیدہ امامہ کو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پالا تھا پھر سیدہ فاطمہؓ نے ہی اپنی وفات کے وقت اپنے شوہر نامدار سیدنا علیؓ کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد میری اس بھانجی سیدہ امامہ سے آپ خود شادی کر لینا چنانچہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان سیدہ امامہ عبشمیہ سے شادی کر لی تھی۔ یہ سیدہ امامہ بھی والد کی طرف سے عبشمیہ اور والدہ کی طرف سے ہاشمیہ خاتون تھیں۔

پھر ان سیدہ امامہ سے حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے سید علی الاوسط بھی پیدا ہوئے جو اپنے نانا حضرت ابوالعاص کی طرف سے عبشمی اور والدہ کی طرف سے ہاشمی تھے۔ اصابہ میں حافظ ابن حجر نے صحیحین اور ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں اس صاحبزادی کو اٹھا رکھا تھا جب سجدے میں جاتے تو اس کو زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر اپنی اس نواسی کو اٹھا لیتے۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ غالباً یہ حضرت سیدہ زینبؓ کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے۔ ابن کثیر ص۳۰۹/۵ اور اصابہ میں یہی ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ایک ہار بھیجا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے ساتھ مجھے بہت محبت ہوگی اس کو یہ ہار دوں گا۔ مستورات نے کہا کہ یہ ہار تو حضرت عائشہؓ لے گئیں لیکن حضور علیہ السلام نے اپنی چہیتی نواسی سیدہ امامہؓ کو بلا کر وہ ہار ان کو پہنا دیا۔

(الاصابۃ ص۲۳۶/۴ طبع اول مطبع سوادہ مصر ۱۳۲۸ھ)۔

رشتوں کا عجیب اتفاق

اور رشتوں کا عجیب اتفاق یہ بھی ہے کہ سیدہ امامہؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی حقیقی بھانجی بھی تھیں پھر بعد کو سوکن بھی ہوئیں۔ یہی سیدہ امامہؓ حضرات حسنین کریمینؓ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں بعد کو ناسگی والدہ بھی بنیں۔ اور سیدنا ابوالعاصؓ عبشمی سیدنا علیؓ ہاشمی کے پہلے ہم زلف بھی تھے پھر خسر بھی ہوئے اور سیدہ امامہؓ کے صاحبزادے سید علی الاوسطؒ حضرات حسنین کریمینؓ کے بھانجے بھی تھے اور ناسگے بھائی بھی اور سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد سیدہ امامہؓ نے حضرت نوفل بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی سے نکاح کیا تھا۔ اس طرح دو ہاشمی بزرگوں سے آپ کا رشتہ ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیدہ زینبؓ کی وفات

سیدہ زینبؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ آنے لگیں تو آپ تیسرے حمل سے امید سے تھیں۔ جب شہر سے باہر نکلیں اور کفار مکہ کو پتہ چلا تو وہ بدبخت دوڑتے ہوئے آپہنچے اور اونٹ سے آپ کا ہودج گرا دیا۔ اس صدمہ سے آپ کا اسقاط ہو گیا۔ پھر مدینہ طیبہ تک اسی زخمی حالت میں اونٹ کے سفر سے زخم مزید ابتر ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں بہت کچھ ممکن علاج معالجہ کرایا گیا لیکن آپ جانبر نہ ہو سکیں اور آپ کا رنجدہ وصال ہو گیا اس وجہ سے حضور علیہ السلام کو بہت صدمہ تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ "زینب افضل بناتی اصیبت فیّ" سب لڑکیوں میں سے میری افضل بچی زینب ہے کہ اس کو میری وجہ سے دین کی راہ میں مصیبت آئی۔ (ابن کثیر ص۳۳۱/۳۱ پھر امام ابن کثیر نے ہی ص۳۰۹/۵ پر مزید تفصیل یوں لکھی ہے کہ فوقعت علی صخرۃ فاسقطت حملها ثم لم تزل وجعة حتی ماتت فکانوا یرونها ماتت شہیدۃ

آپ اونٹ سے ایک چٹان سے آلگیں اور اسقاط ہو گیا اور آپ مسلسل بیمار ہی رہیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا اور صحابہ کرام آپ کی موت کو ایک شہیدہ کی موت قرار دیتے تھے۔

اس طرح زینبؓ کا دوسرا امتیاز شرف یہ بھی تھا کہ آپ چار بہنوں میں سے شہیدہ فی سبیل اللہ بھی تھیں رضی اللہ عنہا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام حضرت ابوالعاصؓ عبشمی کی خوش معاملگی کی بھی تعریف فرماتے تھے کہ حدثنی فصدقنی ووعدنی فوفى لی۔ کہ مجھ سے جو بات کی سچی کی اور جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔ ابن کثیر ص۳۵۴/۶ و اصابہ ص۱۲۲/۴

حضرت علیؓ سے تعلقات

حضرت ابوالعاصؓ عبشمی اور حضرت علیؓ ہاشمی میں ایسی محبت تھی کہ حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام نے جب یمن بھیجا تو حضرت علیؓ اپنے ان ہم زلف و خسر سیدنا ابوالعاصؓ کو بھی یمن اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر جب واپس آئے تو حضرت ابوالعاصؓ کو اپنی جگہ قائم مقام گورنر یمن بنا کر واپس آئے۔ (اصابہ حوالہ بالا)

حضور علیہ السلام کے دوسرے داماد

اسی خاندان بنو عبشم کے اور فرد معظم سیدنا امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان بن امیہ بن عبشم بھی تھے۔ آپ حضور علیہ السلام کی پھوپھی زاد بہن اروی کے لڑکے تھے اور اروی حضور علیہ السلام کی پھوپھی ام حکیم بیضا بنت عبدالمطلب ہاشمی کی صاحبزادی تھیں۔ ام حکیم کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبشم بن عبد مناف سے ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت عثمان حضور علیہ السلام کے بھانجے تھے اور عبدالمطلب ہاشمی کے پڑنواسے تھے۔ ان سے حضور علیہ السلام نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رض کا نکاح کیا تھا۔

اصابہ اور ابن کثیر میں ہے جب سیدنا عثمان رض کی سیدہ رقیہ رض سے شادی ہوئی تو اس مثالی جوڑے کے متعلق کہا گیا۔

احسن زوج راہ انسان

اچھی جوڑی جو کسی انسان نے دیکھی ہو وہ

رقیۃ وزوجہا عثمان

رقیہ اور ان کے شوہر عثمان کی جوڑی ہے

اور حضرت عثمان رض کی خالہ سعدیٰ نے اس شادی کے متعلق کچھ اشعار کہے جن کو آج کل کی اصطلاح میں سہرہ بھی کہا جا سکتا ہے جس میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

وینکحہ المبعوث بالحق بنتہ

فکانا کبدر مازج الشمس فی افق

مبعوث بالحق یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول نے عثمان کے ساتھ اپنی شہزادی بیاہ دی اور وہ دونوں ایسے ہیں جیسے افق پر چاند اور سورج دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ (سبحان اللہ کیا اچھوتی تمثیل ہے) ابن کثیر ص ۱۹۹/ج واصابہ ص ۳۲۷/۴۔ تو حضرت عثمان بھی ننھیالی رشتہ سے ہاشمی تھے اور ددھیالی رشتہ سے عبشمی تھے اور ان کی والدہ اروی بھی ننھیالی رشتہ سے ہاشمیہ اور ددھیالی رشتہ سے عبشمی تھیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیدہ رقیہ رض کا بے مثال شرف

سیدہ رقیہ رض ہاشمیہ (شہزادی دوم) اور اور ان کے شوہر نامدار سیدنا عثمان رض عبشمی کا ایک بے مثال شرف عظیم یہ بھی ہے کہ اس جوڑے نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب مکہ مکرمہ سے ان کی روانگی کا کچھ اور صحابہ کرام کو علم ہوا تو ان بزرگوں کو بھی حوصلہ ہوا اور وہ بھی ساحل جدہ پر پہنچ گئے حضرت عثمان غنی ذی النورین رض عبشمی نے ایک کشتی نصف دینار کرایہ پر لی۔ آپ کے ساتھ دس مرد اور چار عورتیں تھیں۔ مردوں میں دوسرے عبشمی بزرگ حضرت ابو حذیفہ رض بن عبد شمس بن عبد مناف تھے۔ آپ بھی سابقین الاولین سے تھے۔ دو ہجرتیں کرنے اور دو قبلوں کی طرف نمازیں پڑھنے کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ سہلہ رض بنت سہیل عامریہ بھی اس قافلہ میں شامل تھیں۔ حبشہ پہنچنے کے بعد حضرت ابو حذیفہ رض کے صاحبزادے محمد بن ابو حذیفہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ پہلا مولود حبشہ بھی ایک عبشمی بچہ تھا۔

نظام شریعت کا قیام اور موجودہ سیاسی تقاضے

غلام اکبر سلیمانی

وطن عزیز میں اس وقت مکمل اسلامی نظام کے نفاذ اور سیاسی بیداری اور جوش و خروش کی جو لہر اٹھی ہے اس کی خوش آئندگی سے کسی بھی وطن دوست کو انکار نہیں، گویا سوئے ہوئے انسان یکایک جاگ پڑے ہیں اور نہ صرف جاگ پڑے ہیں بلکہ اپنے تینتیس سالہ طویل خواب غفلت کی تلافی کے لئے جلد از جلد اور بھاگ کر منزل مقصود تک پہنچ جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ عوام کی بیداری میں جس کے لئے زیادہ تر پاکستان قومی اتحاد مبارکباد کا مستحق ہے اور جس کے احساس کی تخم ریزی گذشتہ تحریک نظام مصطفیٰ کے سلسلہ میں ہزاروں علماء پر مشتمل نکلنے والے جلوسوں نے آج سے تقریباً تین سال پیشتر کر دی تھی، ایک بے پناہ تحریک کی شکل میں ابھری اور اب اس کی کامیابی کا تمام تر دارومدار اس مشترکہ اجتماعی قیادت پر ہے۔ ملک کی اکثر جماعتیں اس نازک وقت میں جب کہ بھٹو جیسے آمر موجود تھے۔ قومی اتحاد کی شکل میں نمودار ہوئی تھیں اب حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ جماعتیں پھر سے متحد ہو کر لوگوں کے سامنے اپنا لائحہ عمل پیش کریں اور عوام کی اس موجودہ بیداری کو متفقہ اور مشترکہ طور پر پھر سے سنبھال لیا جائے اور وہ تمام جماعتیں اکٹھی ہو جائیں جو کسی وجہ سے قومی اتحاد کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں تو یقیناً وہ منزل مراد کو پہنچ سکتے ہیں اور مکمل اسلامی نظام کے قیام کی کوشش میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں اس مقصد کے حصول کے لئے بلا امتیاز تفریق تمام مخالف سیاسی و دینی جماعتوں اور نئی پرانی سیاسی شخصیتوں کا اشتراک عمل نہایت ضروری ہے۔ اس وقت نظریات کی بحثوں میں الجھنا اور جماعتی عصبیتوں کے جھوٹے وقار میں پڑے رہنا اسے ملک و ملت کی خدمت نہیں کہا جا سکتا۔ اس گئے گزرے دور میں عوام میں اسلامی نظام کے نفاذ کی امید افزا صورت حال کا پیدا ہو جانا اور اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش کرنا یقیناً اس کا کریڈٹ پاکستان قومی اتحاد کی طرف جاتا ہے اب بھی اگر سیاسی و مذہبی جماعتیں قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر آ جائیں تو ان کے لئے ایک منزل کی طرف بڑھنا آسان ہو جائے گا اور قوم کے لئے یہ ایک فتح عظیم ہو گی۔

لیکن اگر نظریات پرستی اور انفرادیت پرستی کی آڑ لے کر اس شاہراہ پر مختلف پارٹیوں میں بٹ کر منزل کی طرف بڑھنے کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے تو یہ قوم کے لئے بد نصیبی کا باعث ہو گی اور ان کی کامیابی کسی صورت میں بھی ممکن نہیں۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے وقت پاکستان قومی اتحاد کے سامنے دو اہم مقاصد پیش نظر تھے۔ ایک نظام اسلام کا نفاذ اور دوسرا آمریت کا انسداد۔ آمریت کا دیو تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کا آغاز جنرل محمد ضیاء الحق نے کر دیا ہے۔ جس کی تکمیل کے لئے خود جنرل صاحب اور پوری قوم کوشاں ہے اور انشاءاللہ اس ملک میں بہت جلد مکمل اسلامی نظام نافذ ہو جائے گا اس لئے ایک دوسرے کے خلاف بدظنی اور بداعتمادی کی زہریلی فضا پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہیئے ورنہ عوام کی یہ تمام تاریخی سعی و جہد اور ایثار و قربانی غارت چلی جائے گی۔ اس صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اتحاد کے دامن کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ قومی اتحاد کو اور زیادہ مضبوط اور فعال بنانا چاہیئے تاکہ آئندہ عام انتخابات میں قومی اتحاد بھاری اکثریت سے کامیاب ہو سکے۔

اس وقت سب سے زیادہ ذمہ داری دین پسند جماعتوں پر عائد ہوتی ہے۔ عوام کی بیداری اور جوش و خروش کے موجودہ رجحانات میں اگر وہ الگ تھلگ بیٹھے رہے اور اس کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جن کا جھکاؤ الحاد و دہریت اشتراکیت یا درپردہ سامراج پرستی کی طرف ہے تو اس صورت حال کی مسئولیت سے دین پسند افراد یا جماعتیں بری نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے دینی

جماعتوں اور دین پسند افراد کو موجودہ سیاسی تغیرات کے عمل میں قومی اتحاد میں شامل ہو جانا چاہیئے ان کا اشتراک واتحاد ایک تو قوم کو موجودہ لادینی اثرات سے بچائے گا، دوسرا ان کے اشتراک واتحاد سے اس ملک میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا۔ تیسرا یہ کہ ان کی شمولیت مستقبل پر اثر انداز ہو کر آنے والی تبدیلیوں کا رخ اسلام کی طرف کر دے گی۔ چنانچہ ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام دینی وسیاسی جماعتوں کو مشترکہ لائحہ عمل سوچنے کے لئے قومی اتحاد کو مضبوط تر بنایا جائے تاکہ وہ آئندہ کے لئے ایک قوت بن کر ابھرے۔

سابقہ حکومت نے اسلام اور عوام کے ساتھ جو ناانصافیاں کی ہیں وہ قوم سے پوشیدہ نہیں بلکہ ملک کا بچہ بچہ واقف ہے، اور جن کے بُرے نتائج عوام کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ سابقہ دور حکومت میں مختلف مقامات پر طلباء کے ساتھ سخت گیر برتاؤ کیا گیا نہتے عوام پر لاٹھی چارج کیا گیا اور گولیاں برسائی گئیں اور متعدد سیاسی رہنماؤں اور بے شمار کارکنوں کو گرفتار کر کے انہیں قید وبند میں ڈال دیا گیا، غرضیکہ عوام پر بے انتہا ستم ڈھائے گئے، اگر عوام اکٹھے ہو کر تحریک نظام مصطفےٰ نہ چلاتے تو بھٹو جیسے آمر کا سیاہ دور کبھی ختم نہ ہوتا اور نہ ہی قوم کو اس جابر سے نجات ملتی الحمد للہ اب ملک میں امن وامان ہے اور لوگ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام اور دین پسند طبقے عوام کی سیاسی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے کر عوام سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں اور موجودہ تحرکات پر اپنا دینی اثر ڈالیں اور انہیں اتحاد کی ترغیب دیں کیونکہ اتحاد کی برکت سے ہمارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں نیز انہیں اسلامی نظام کی برکات سے روشناس کرائیں، کیونکہ صرف یہی نظام ہی ہماری تمام مشکلات کا مداوی ہے۔ آج پھر ہم دنیائے انسانی کو اسلامی نظام کی دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ امن عالم اور ہمہ جہت ترقی اور حقیقی رفاہیت اور خوشحالی چاہتے ہیں تو صرف اسلامی نظام میں ہی پا سکتے ہیں اور کوئی نظام جو عقل انسانی کا اختراع کیا ہوا ہو ہرگز ان کی کفالت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ حالات کے دھارے میں نہ بہہ جائیں بلکہ حالات کا رخ اسلامی سانچے میں ڈھالیں اور لوگوں کو اس پر مجبور کریں کہ اسلام کے سوا کوئی اور نظام ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا۔

ہمارے رفاہی ادارے

تعلیم القرآن سوسائٹی، مقاصد اور کارگزاری

سب سے پہلے میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ حضرات نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا کی۔ اور مجھے اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔

کوئی قوم اس وقت تک صحیح معنیٰ میں مہذب اور ترقی یافتہ نہیں کہی جا سکتی جب تک کہ اس قوم کا ہر فرد پڑھا لکھا نہ ہو۔ مگر یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ تمام دنیا میں صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد سب سے کم ہے۔ حالانکہ ہم سب حامل قرآن ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو قاری یعنی پڑھا لکھا ہونا چاہیئے۔ اس کمی کو دور کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ قرآن پڑھو کی ملک گیر تحریک شروع کی جائے اور ہر شخص میں قرآن پڑھو اور پڑھاؤ کا جذبہ ابھارا جائے تاکہ اس ملک سے،

(i) ناخواندگی دور ہو،

(ii) اللہ کی طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہو،

(iii) قومی یکجہتی اور باہمی اتحاد و اتفاق پیدا ہو،

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ"

انہی مقاصد کو مدنظر رکھتے

ہوئے ۱۹۷۰ء کی ابتداء میں میکلوڈ روڈ کے چھ کاروباری حضرات نے قرآنی تعلیم کے فروغ کے لئے مشورہ کے بعد تعلیم القرآن سوسائٹی تشکیل دی جسے رجسٹرڈ کرانے کے بعد یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو پہلا مکتب سمن آباد میں قائم کیا گیا۔ اب مئی ۱۹۷۹ء میں اس کے مدارس کی تعداد ۲۸ ہوگئی ہے۔ جس میں بچیوں کے تین مدارس بھی شامل ہیں اور طلباء وطالبات کی کل تعداد سولہ سو ہے۔

اس سوسائٹی کے نصاب میں قرآن شریف حفظ وناظرہ کے علاوہ بنیادی دینی تعلیم بھی شامل ہے جو درجہ بدرجہ بچوں کو دی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک بچہ قرآن مجید کے ساتھ نماز باترجمہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا رسالہ تعلیم الاسلام چار حصے، ضروری دعائیں اور چالیس احادیث نبویہ معہ ترجمہ وغیرہ پر پورا عبور حاصل کر لیتا ہے۔

سوسائٹی کے مدارس کا ماہانہ ٹیسٹ باقاعدگی سے ہوتا ہے جس میں سوسائٹی کے مقرر کردہ انسپکٹر برائے مدارس ہر مدرسہ کے کم ازکم دس طلباء کا امتحان لیتے ہیں۔ اس موقع پر سوسائٹی کا ایک ایک ممبر بھی شامل ہوتا ہے جو مدرسہ کے ہر نوع کے حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ سالانہ امتحان دسمبر میں ہوتا ہے۔ کامیاب طلباء کو سوسائٹی کے سرپرست اعلیٰ اپنے ہاتھوں سے اسناد تقسیم کرتے اور اول، دوم، سوئم آنے والے طلباء کو انعامات دیتے ہیں۔

اللہ کے فضل سے ہر سال مجموعی طور پر سو کے قریب طلباء فارغ ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال ۱۹۷۸ء میں ۱۸۰ بچوں اور بچیوں نے ناظرہ قرآن ختم کیا اور دس طلباء نے حفظ قرآن مجید ختم کیا جس میں دو بچیاں بھی شامل ہیں۔

سوسائٹی کا مقصد تعلیم قرآن کا فروغ ہے اس لئے اس نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں اور اپنا کام بڑھا دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے مرکزی مقام کی مسجد شہداء میں ۲؍ مارچ ۱۹۷۹ء سے ایک سہ ماہی کورس شروع کیا ہے۔ جس کا مقصد بالغ اور بڑی عمر کے لوگوں کو تعلیم قرآن دینا ہے۔ اس مرکز تعلیم بالغاں کی کلاس مغرب سے عشاء تک ہوتی ہے۔ سوسائٹی کے اس مرکز میں تین اساتذہ تعلیم دے رہے ہیں جن میں صدر سوسائٹی، خطیب مسجد شہداء قاضی محمد یونس صاحب اور انسپکٹر مدارس قاری مقبول الرحمٰن شامل ہیں۔

سوسائٹی کے سرپرست اعلیٰ نے اس مرکز کی افتتاحی تقریب میں ایک تجویز پیش فرمائی۔ مہمان مقرر مولانا منظور احمد چنیوٹی اور جملہ حاضرین نے تائید کی۔ اس تجویز کا مقصد یہ تھا کہ اب جبکہ پاکستان نے مثبت سمت سفر شروع کر دیا ہے تو ضروری ہے کہ تعلیم قرآن کو اس کا جائز مقام دیا جائے چنانچہ تجویز یہ ہے کہ سرکاری و نیم سرکاری اور غیر سرکاری محکموں کے تمام تر ملازمین کو تعلیم قرآن کے لئے پابند کیا جائے۔ کلیدی آسامیوں پر کام کرنے والے ملازمین کے لئے ترجمہ کی شرط لازمی ہو اور باقیوں کے لئے کم ازکم ناظرہ قرآن کی شرط ہو۔ وہ تمام ملازمین جو اس وقت کام کر رہے ہیں، ان کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں اور جس میں یہ کمی ہو اُسے ایک خاص مدت میں اسے پورا کرنے کی ہدایت کی جائے اور آئندہ ملازمت کے لئے یہ شرط قرار دی جائے۔ اس تجویز کی تائید ہفت روزہ خدام الدین نے ایک نوٹ میں کی۔ اور سوسائٹی نے رجسٹرڈ لیٹر کے ذریعہ یہ تجویز صدر مملکت اور تمام متعلقہ لوگوں کو بھجوا دی ہے۔ اخبار برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ اس تجویز کی حمایت میں اپنے وسائل سے مدد کریں۔

سوسائٹی اپنا سالانہ حساب کسی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آڈٹ کرا کر تمام امداد کنندگان کے ناموں سمیت باقاعدہ رپورٹ شائع کرتی ہے۔

گو کہ اب تک عام چندہ واپیل کا رواج نہ تھا لیکن اب کام کی وسعت کے پیش نظر اہل خیر سے تعاون اور سوسائٹی کی تعمیر وترقی کے لئے مخلصانہ اور مثبت تجاویز کی اپیل کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مثبت تنقید کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

کراچی کی جمعیت تعلیم القرآن قرآنی تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں ملک کا سب سے بڑا نجی ادارہ ہے۔ اس نے سوسائٹی کی طرف سے دست تعاون بڑھایا ہے اور اب اس کی لاہور شاخ اور سوسائٹی مل کر کام کر رہی ہیں۔

سوسائٹی کے مستقل سرپرست مولانا عبید اللہ انور ہیں۔ جبکہ صدر قاری سید محمد ظریف صاحب لائبریرین یونیورسٹی لاء کالج، نائب صدر ڈاکٹر عبید اللہ خان صاحب

ملفوظاتِ امام ربانی مجدد الف ثانی رحؒ

مرتبہ: ماسٹر محمد عمر خان گوڑھ

اجتناب بدعت واتباعِ سنت کی تاکید:

فرمایا، احادیث سے جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ کہ ہر بدعت سنت کو رفع کرنے والی ہے کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر بدعت سیئہ ہے۔ حضرت حسان رضؓ سے روایت ہے۔ ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع اللّٰه من سنتهم مثلها ثم لایعیدها الیهم فی الیوم القیمة۔

یعنی جب کوئی قوم بدعت کو رواج دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس جیسی سنت کو ان میں سے اٹھا لیتا ہے اور وہ قوم اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی ہے۔ سنت اور بدعت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی بقا دوسرے کی فنا کو لازم ہے پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کا مارنا ہے۔ بدعت کو سیئہ کہیں یا حسنہ اس سے سنت کا ترک کرنا لازم آتا ہے۔ تمام سنتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں اور اس کی ضدیں بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ باتیں بدعت کے پھیل جانے کی وجہ سے اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں لیکن کل انہیں قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون ہے ہم یا اہلِ بدعات

منقول ہے کہ حضرت مہدی اپنی حکومت کے زمانے میں جب دین کو رواج دیں گے اور سنت کا احیاء کریں گے تو مدینے کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنا لیا ہو گا، بدعات کو احسن خیال کر کے دین کا جزو بنا لے گا، تعجب سے کہے گا کہ اس شخص مہدی نے تو دین کو برباد کر دیا، تباہ کر دیا، مذہب اور ملت کو فنا کر دیا حضرت امام مہدی اس بدعتی عالم کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ علیہ نے سنت کو مضبوطی سے پکڑا اور اجتناب کیا، یہی وجہ ہے کسی کو متابعت کی دولت میسر ہو اور احوال نہ رکھتا ہو تو بھی خوش ہیں کہ عین نور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے سماع کو جائز نہیں سمجھا بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت مان کر اس سے منع فرمایا۔

فرمایا، بدعت سے بچئے اگرچہ بدعت صبح کے نور کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو، حقیقت میں اس کی کوئی روشنی نہیں اور نہ اس میں کوئی نور ہے اور نہ ہی کسی بیماری کی دوا ہے۔ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا تو سنت کو دور کرنے والی ہوگی یا اس سے سکوت کرنے والی (یعنی توڑنے والی) ہوگی۔ ہمیں ایسی چیز کی کیا ضرورت ہے جو ہمیں سنت سے دور کر دے۔ امرِ محدث کو حسن کہنا دین کی غیر کاملیت کی دلیل ہے اور نعمت ناتمامی کا اظہار ہے تو ہرگز اس قسم کی دلیری نہیں کرنی چاہئے۔

فرمایا، بدعت دین کو کاٹنے والی کلہاڑی ہے اور سنت چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ گذشتہ زمانے میں اسلام قوی تھا۔ اس لئے بدعت کی تاریکی کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے بعض بدعتوں کے ظلمات اسلام کے نور کی چمک میں نورانی نظر آتے ہوں اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں، صوفیا بھی اگر انصاف سے کام لیں تو انہیں سوائے سنت کے کسی امر میں اپنے پیروں کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

سب سے اعلیٰ نصیحت سعادت مند دوستوں کے لئے یہ ہے کہ سنت کی متابعت کر اور بدعت سے بچیں جو شخص کسی متروک سنت کو زندہ کرے اُسے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ تو معلوم کرنا چاہئے سنت کی اتباع میں اتنا قدر اجر ہے تو واجب اور فرض زندہ کرنے کا کتنا اجر ملے گا!

فرائض، سنت، واجبات کے ادا کرنے کے لئے جو امر پیش آئے، علماء سے رجوع کریں حرام مشتبہ مال و مشتبہ امور سے بچنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے اور علماء کے فتویٰ کے مطابق عمل کریں۔

فرمایا، فقیر کے نزدیک طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شریعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے مخالف ہے طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی

آمادگی سے پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شریعیہ کا خادم ہے ۔

فرمایا، کمال محبوب کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی متابعت پر موقوف و منحصر ہے جو کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے ۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور آپ کی کتاب میں تمام سماوی کُتب شامل ہیں ۔ لہٰذا شریعتِ محمدیہ کی متابعت سابقہ تمام شریعتوں کی متابعت ہے ۔ پس تابعدار اور متبع رسالتہ اپنی استعداد کے مطابق انبیاء گذشتہ میں سے کسی کے ساتھ نسبت رکھتا ہے اور اس کی ولایت حاصل کر لیتا ہے ۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام ولایتوں پر حاوی ہے ۔ لہٰذا کسی دوسرے نبی کی ولایت میں ہونا آپ کی ولایت خاصہ کے اجزاء میں سے کسی جزو تک پہنچنا ہے اگر کمالِ اتباع حاصل ہو جائے تو اس ولایت عامی تک پہنچنا ممکن ہے

فرمایا، آدمی جامع ترین موجودات ہے اس کے باعث بدترین بھی یہی ہے اور اشرف بھی اسی کے سبب ہے کیونکہ اس جامعیت کے باعث اس کا آئینہ نہایت کامل ہے اگر جہاں کی طرف رُخ کرے تو اتنا مکدر ہو جاتا ہے کہ بیان سے باہر ہے اگر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو سب سے زیادہ مصفیٰ اور عُمدہ ہے

فرمایا، پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے ۔ یہ بات طریقت کی تعلیم میں زیادہ واضح ہے ۔ کیونکہ پیر شریعت کی تعلیم کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہنما بھی اس لئے پیر کے آداب کی رعائت ضروری ہے اس طریق میں اصل مقصد اور مجاہدات و ریاضیات کا مدعا احکام شریعیہ کی بجا آوری اور سنت کی متابعت ہیں نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہشات دور ہوں ۔ احکام شرعی کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے ۔ سُنت کی تقلید کے علاوہ اور ریاضتیں معتبر نہیں ۔ اس لئے شیخ کی توجہ و تصرف کے بغیر کام نہیں چلتا صحبت شیخ سے شیخ کی توجہ و تصرف قوی ہوتی ہے ۔ ان کی صُحبت میں افادہ زیادہ تر خاموشی میں ہے ۔ اہل حق کی بات یہ ہے کہ انہوں نے انوار نبوت سے نور لیا ہے ۔ علم نبوت کُتب اور دماغوں سے نکلتا ہوا ہم تک پہنچ رہا ہے اور نورِ نبوت سینہ بسینہ منتقل ہوتا آرہا ہے ۔ اس لئے اُن کی صُحبت میں بھی تصور کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آرہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر کے واسطہ سے میرے شیخ کے دل سے میرے قلب پر پڑ رہی ہے ۔

بقیہ : پریس کانفرنس

پروفیسر یونیورسٹی اور ہٹیل کالج اور جنرل سیکرٹری شیخ ظہیر الدین البدر ٹریڈرز ہیں اور آٹھ رکنی مجلس عاملہ ہے ۔

ہم ایک بار پھر اخباری نمائندوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں ۔

قاری سید محمد ظریف
صدر ، تعلیم القرآن سوسائٹی رجسٹرڈ
۵۶ ، میکلوڈ روڈ ، لاہور
فون نمبر : ۶۱۲۹۷۰

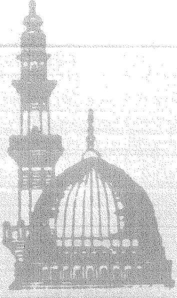
بقیہ : الیکشن

کام میں لگانا جس سے ملک و قوم اور ہر ہر فرد کو نقصان بھی دینی و دنیوی دونوں قسم کے نقصان پہنچتے ہوں ۔ سوچئے حلال مال کی تباہی کا ذمہ دار کون ہوگا اور تباہی کے معین مددگار کون ہوں گے ۔

۳۰ ۔ آخر میں سب سے گذارش ہے کہ یورپ سے مرعوب ہوئے بغیر ٹھنڈے دل سے غور کریں ۔ ان کی تفریق ڈالنے کی چال کو سمجھیں ، اپنے مقصد کو پیش نظر رکھیں اور خوب خوب غور کریں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح راستے کی ہدایت کریں ۔

بقیہ : اسلام اور سرمایہ داری

بکر لکر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کار معاشی نظام ہے کیا ، اور وہ دوسرے معاشی نظاموں سے بنیادی طور پر کیسے مختلف اور کیسے بہتر ہے ؟ غرضیکہ اسلام کے معاشی نظام کو عملاً نافذ اور جاری کرنے سے پہلے از بس ضروری اور ناگزیر ہے کہ اسے علمی اور نظری طور پر متعین اور واضح کیا جائے چنانچہ یہ مقالہ اسی ضرورت کے پیش نظر لکھا گیا ہے اور اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک صحیح نہیں اس کا فیصلہ وہی اہل علم و فکر حضرات کر سکتے ہیں جو اس قسم کے مسائل سے واقفیت اور دلچسپی رکھتے ، انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ مسائل کا جائزہ لیتے اور جو قول کو دیکھتے ہیں قائل کو نہیں دیکھتے ، یعنی وجوہات کو دیکھتے ہیں بات کہنے والے کو نہیں دیکھتے ۔



نعت

صفدر گنوری، کراچی

ہو مسجدِ مدینہ کہ بیت الحرام ہو
صفدر جبینِ شوق کو سجدوں سے کام ہو!

کعبے میں ہو سحر تو مدینے میں شام ہو
یارب ہماری عمر اسی میں تمام ہو!

لب پر درود اور زباں پر سلام ہو
حُبِّ نبیؐ کی لَو بکمال و تمام ہو!

آنکھوں کے بل چلو تو کبھی سر کے بل چلو!
کوچے میں اُن کے ہو تو یہ شانِ خرام ہو!

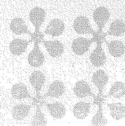
آئے نظر جو گنبدِ خضریٰ تو جھوم اُٹھو!
تاہم یہ سرخوشی بھی "بصد احترام" ہو!

دل میں نہ دو مقام وساوس کو زائرو!
ہر "پیروی نفس" ریاء و حرام ہو!

آہنگ "معتبر" ہے تمہارا سخن نبیؐ!
روح البیان ہو تم امام الکلام ہو!

مجھ کو طلب ہے دینِ رسالتمآبؐ کی
اُن کا غلام اور ــــ ہوس کا غلام ہو؟

صفدر ہو نعت پیش بہ اندازِ لطفِ خاص!
الفت ہو چاشنی تو محبت قوام ہو!



خدام الدین

حضرت الامام

مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

کے

لاہوری نمبر

کا

دوسرا ایڈیشن پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہوگیا

پہلے ایڈیشن کی تقریبِ رونمائی میں عدالتِ عالیہ پنجاب کے جسٹس آفتاب حسین، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد اجمل خان، مسکین حجازی (آف شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی) جناب احسان دانش اور اہلِ نظر نے حضرت الامام لاہوری کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور ادارہ کی اس مثالی کاوش کو سراہا۔ ملک و بیرونِ ملک سے زبردست مانگ کے پیشِ نظر دوسرا ایڈیشن تیار کرایا گیا ہے شائقین جلد اپنی کاپی حاصل کر لیں ورنہ شاید اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے

ہدیہ: ۲۵ روپے

ملک بھر میں ہمارے نمائندگان اور ایجنٹ آپ کی خدمت کے لیے موجود ہیں

یاد فرمائی کا پتہ: **ادارہ خدام الدین ۔ لاہور**